سلسلہ مطبوعات ادارۂ ادبیات اردو شمارہ (۱۸)
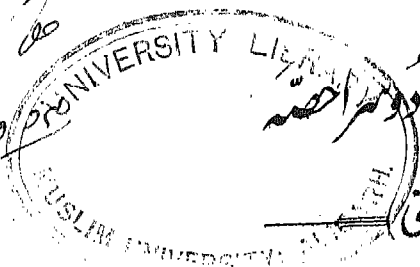
دکن میں اردو کا دوسرا حصہ

(یعنی)

مدراس میں اردو

(از)

نصیر الدین ہاشمی

سنہ ۱۹۳۸ء

مطبوعہ

مکتبہ ابراہیمیہ مشین پریس حیدرآباد دکن

قیمت عہ

ادارۂ ادبیاتِ اردو کی دوسری مطبوعات

مرقعِ سخن (جلد اوّل)	ورڈزورتھ اور اُس کی شاعری
مرقعِ سخن (جلد دوّم)	ٹیگور اور اُن کی شاعری
سراجِ سخن	یوسفِ ہندی قیدِ فرنگ میں
ایمانِ سخن	ہوش کے ناخن (ڈرامہ)
فیضِ سخن	نذرِ ولی
بادۂ سخن	نقدِ سخن
کیفِ سخن	گریہ و تبسّم
متاعِ سخن	مشاہیرِ قندھارِ دکن

من کی دنیا

دیباچہ عمومی

مدراس میں اُردو کے مصنّف مولوی نصیر الدین ہاشمی صاحب ہیں جن کی دکن میں اُردو ایک کتاب آفرین کتاب ثابت ہوئی کیونکہ اس کے بعد ہی ہندوستان کے مختلف صوبوں کے اصحاب کو اپنے اپنے صوبہ کی اُردو خدمات پر نظر ڈالنے کا خیال پیدا ہوا چنانچہ دو کتابیں یعنی حافظ محمود خان شیرانی کی "پنجاب میں اُردو" اور نواب نصیر حسین خان خیال کی "مغل اور اُردو" شایع ہو چکی ہیں۔

ہاشمی صاحب ایک ایسے علم دوست خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جس کے افراد صدیوں سے دکن کے مختلف اقطاع میں علم و فضل کے علمبردار رہے ہیں۔ یہ خاندان حیدرآباد میں تقریباً ستر سال سے مقیم ہے جہاں اس کے بعض اراکین مثلاً مولوی حسین عطاء اللہ، مفتی محمد سعید خان، مولوی عبدالقادر، مولوی صفی الدین، اور مولوی محمد مرتضیٰ وغیرہ اپنی علم دوستی، اعلیٰ کردار، اور جذبۂ خدمت گزاری کی وجہ سے کافی مشہور اور نیک نام گزرے ہیں۔ ہاشمی صاحب بھی اپنی بزرگوں کی باقیات الصالحات میں سے ہیں۔ یہ مولوی عبدالقادر مرحوم کے فرزند ہیں جو رجسٹراری بلدہ کی خدمت پر مامور تھے اور انگریزی سے نابلد ہونے کے باوجود اپنے زمانہ میں حیدرآباد کے تاریخی، سیاسی، اور تمدنی مسائل کے ایک اچھے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ ان کو اس سرزمین کی ہر جہتی ترقی سے خاص دلچسپی تھی اور اس لئے ہر اس انجمن کے سرگرم رکن رہتے تھے جو علمی و معاشرتی ترقی و اصلاح کے لئے منعقد ہوتی۔

ہاشمی صاحب خود بھی نہایت مشغول اور سرگرم اہل قلم ہیں۔ انہوں نے مدراس میں اُردو لکھ کر ایک کمی کو پورا کر دیا۔ صوبۂ مدراس میں اُردو صدیوں سے مروّج ہے اور وہاں بڑے بڑے شاعر اور انشا پرداز پیدا ہو چکے ہیں اس کتاب میں ان سب کے متعلق مستند معلومات پیش کی گئی ہیں۔ جو اصحاب اُردو زبان اور ادب کی ترقی اور وسعت سے دلچسپی رکھتے ہیں وہ اس کے مطالعہ سے ضرور مستفید ہوں گے اور انہی کی خاطر ادارہ ادبیاتِ اُردو اس کتاب "مدراس میں اُردو" کو اپنی طرف سے شایع کر رہا ہے

سیّد محی الدّین قادری زورؔ

معتمد اعزازی

فہرست مضامین

عرضِ حال

آج سے پندرہ سال قبل جبکہ پہلے پہل "دکن میں اُردو" مرتب ہوئی تھی تو چونکہ احاطۂ مدراس بھی جنوبی ہند میں ہی شامل ہے، اس لئے ایک فصل میں یہاں کی اُردو پر بھی روشنی ڈالی گئی تھی۔ اس کے بعد جب دوسرا اڈیشن شائع ہوا تو اس فصل میں کسی قدر کمی و بیشی کی گئی۔ اب جبکہ "دکن میں اُردو" تیسری مرتبہ شائع ہوئی ہے، اس فصل کو حجم کی ضخامت کے خوف سے خارج کر دیا گیا۔ اس پندرہ سال کے عرصہ میں مدراس اور میسور وغیرہ کے متعلق کافی قدیم و جدید مواد اس کثرت سے جمع ہوا کہ مناسب یہ معلوم ہوا کہ جو فصل "دکن میں اردو" سے خارج کر دی گئی ہے، اس کو مکمل کر کے ایک علحدہ مستقل کتاب کی صورت میں "مدراس میں اردو" کے نام سے پیش کی جائے۔

اس کتاب کو لکھنے میں دو امور محرک ہوئے۔ اول یہ کہ آج سے کئی سال پہلے مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب نے اپنے ایک خطبۂ صدارت میں جو مدراس کی کسی انجمن میں پڑھا گیا تھا، اہل مدراس کو توجہ دلائی تھی کہ مدراس میں اُردو کے نشو و نما اور اس کے ارتقا کی تاریخ لکھی جائے، مگر کسی نے آج تک اس جانب پیش قدمی نہیں کی چونکہ "دکن میں اردو" کے پہلے اور دوسرے اڈیشن میں اس موضوع پر کچھ لکھ دیا گیا تھا اس لئے اس کو ایک مستقل صورت میں پیش کر دینا مفید معلوم ہوا۔ دوسرے یہ کہ اگرچہ ہمارے خاندان کو حیدرآباد میں توطن کئے ہوئے ستر سال سے زیادہ ہو چکے ہیں مگر سالہا سال کے قدیم خاندانی تعلق کی بنا، پر یہ خیال پیدا ہوا کہ اس خطہ کی کوئی نہ کوئی علمی خدمت انجام دی جائے جہاں بزرگوں نے اپنی ساری ساری عمر علم و ادب کی خدمت میں گزار دی۔

علاوہ ازیں بزرگوں نے اور بالخصوص مولانا باقر آگاہ اور قاضی بدر الدولہ نے اردو زبان کی بھی خدمت کی تھی اس لحاظ سے بھی یہ امر مناسب معلوم ہوا کہ ان کے ایک صدی بعد ان ساری کوششوں کی

ایک روداد مرتب ہو جائے جو زبان اردو کی خدمت کے لئے عمل میں آئیں۔

"مدراس میں اردو" کی ابتدا اور اس کی ترقی کی پوری بحث اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک کہ اردو کی ابتدا سے بحث نہ کی جائے مگر اس عنوان کو اس لئے چھوڑ دیا گیا ہے کہ "دکن میں اردو" کے تیسرے اڈیشن میں پوری تفصیل کے ساتھ اس پر بحث کی جا چکی ہے۔

صوبۂ مدراس میں اس وقت تلنگی، کنڑی، ٹامل وغیرہ زبانیں بولی جاتی ہیں مگر ان میں سے کسی ایک کو بھی پورے صوبہ کی زبان قرار نہیں دیا جا سکتا اگر کوئی زبان پورے صوبہ مدراس میں مستعمل نظر آتی ہے تو وہ صرف "ہندوستانی" ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ علاقہ مدراس میں "ہندوستانی" زبان کس طرح زمانہ دراز سے بولی جاتی رہی ہے اور کس طرح بیسیوں نامور شعرا اور نثار خاک مدراس سے پیدا ہوئے ہیں جن کے کارنامے آج بھی قدر کے مستحق ہیں۔

چونکہ ہماری کتاب شعرا یا نثر نگاروں کا تذکرہ نہیں ہے اس لئے ہر فصل میں بطور نمونہ صرف چند اہل قلم کو منتخب کرایا گیا ہے تاکہ تدریجی ترقی کا اندازہ بخوبی کیا جا سکے اس کتاب میں خواتین کے کارناموں کو ہم نے نظر انداز کر دیا ہے کیونکہ "خواتین دکن کی اردو خدمات" کے متعلق دوسری کتاب مرتب کر رہے ہیں اس موقع پر جن اصحاب نے وقتاً فوقتاً ہم کو قلمی مدد دی ہے، ان کے اسماء گرامی دلی شکریہ کے ساتھ درج کئے جاتے ہیں۔

سب سے پہلے مولوی محمد حسین صاحب محوی کا تذکرہ ضروری ہے مدراس میں ہندوستانی کی اشاعت کے لئے آپ ایک عرصہ سے جد و جہد کر رہے ہیں، مولانا ناشاکر نائطی مدیر رسالہ مصحف کے گراں قدر خدمات بھی قابل قدر ہیں ناشاکر صاحب سے بھی ہم کو مدد ملی ہے۔

محمد ارتضاء الحق صاحب میکانیکل انجنیر و مالک کارخانہ نیشنل اسٹیشن کار کا ذکر بھی ضروری ہے آپ کو ادبیات سے خاص ذوق و دلچسپی ہے اسی ذوق کے باعث ہماری مدد فرمائی ہے۔

توقع ہے کہ یہ کتاب اصحاب ذوق کے پاس قبولیت حاصل کرے گی۔ ہم کو اپنی کوتاہیوں کا اعتراف ہے، اور اس کے لئے معذرت خواہ ہیں۔

نصیر الدین ہاشمی

ممتاز منزل روڈ خیریت آباد
حیدرآباد دکن
۲۹ رمضان ۱۳۵۷ھ - ۲۲ نومبر ۱۹۳۸ء

مدراس میں اردو

تمہید مدراس پر اسلامی تہذیب کا اثر جب تک براہِ راست موجود رہا اس وقت تک باقی اور امور کی طرح زبان اُردو کی خدمت گزاری کا بھی اس نے پورا حق ادا کیا۔ فی الوقت مدراس میں خود اسلامی حلقوں میں اُردو کی جو کس مپرسی ہے اس پر ایک صدی پہلے کی حالت کو ہرگز قیاس نہیں کرنا چاہیئے اسّی پچاسّی سال پہلے مدراس میں اُردو کی ترقی کا جو رجحان تھا، وہ اس وقت کے حالات کے مدنظر بڑی تعریف اور ستایش کا مستحق ہے۔

آج اگر احاطۂ مدراس کہا جائے تو اس سے ایک بہت وسیع و عریض حصہ ملک مراد ہوتا ہے، کرناٹک، آندھرا، ٹامل علاقہ، ملیبار، میسور وغیرہ سب احاطۂ مدراس میں شامل ہیں۔ احاطۂ مدراس کی یہ وسعت دو ایک صدی پہلے کی سیاسی حالات کا ایک خاص نتیجہ ہے، اس پر تفصیل سے بحث کرنا ہمارے موضوع سے خارج ہے، مدراس سے ہماری مراد صرف اس حصہ ملک سے ہے جو مغلیہ عہد میں صوبہ کرناٹک سے موسوم تھا۔

قبل اس کے کہ ہم یہ بتائیں کہ مدراس میں اُردو کس طرح پہنچی، کیونکر وہاں اس نے ترقی کی اور بالآخر اس کو کس طرح وہاں اپنا ادبی اور خالص علمی اثر کھو دینا پڑا مختصراً یہ بتانا ضروری ہے کہ کن سیاسی حالات کے تحت وہاں اس کو دوچار ہونا پڑا۔

تاریخ مسلمانوں کے تعلقات سواحلِ کرناٹک کے ساتھ اس وقت سے شروع ہوتے ہیں جب کہ اسلامی فوج شمال کی جانب سے ہنوز ہندوستان میں نہیں آئی تھی۔

عرب تاجر اور اسلامی مبلغ وغیرہ سمندروں کو طے کرتے ہوئے کارومنڈل اور ملیبار پر آتے اور اندرونِ ملک دور تک اپنی تجارت اور اس کے ساتھ اپنے تمدن اور معاشرتی اثرات پہونچا دیتے تھے۔

شہرۂ آفاق مسلمان سیاح ابن بطوطہ نے ۷۴۳ھ میں جنوبی ہند کی بھی سیاحت کی تھی، اس کے بیانات سے یہ واقعہ صاف صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ کس طرح ان سواحل میں اسلامی اثر کی ہمہ گیری تھی، مدارس، خانقاہیں اور مسجدیں آباد تھیں۔ حتیٰ کہ ان نووارد تاجروں نے اپنی حکومت بھی قائم کی بعینہ اسی طرح جس طرح کہ زمانہ مابعد میں انگریزوں اور فرانسیسوں نے کیا[1]۔

مولانا سید سلیمان صاحب ندوی اپنی تالیف عرب و ہند کے تعلقات میں لکھتے ہیں:۔

> "مدراس میں ملیبار کے دوسرے مقابل ساحل کو عرب معبر کہتے ہیں، اس کا موجودہ نام کارومنڈل ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ساحل کا یہ حصہ چند صدیوں کے بعد عربوں کے استعمال میں آتا ہے، چھٹی صدی کے آخری سے اس کا نام سننے میں آتا ہے، ساتویں صدی میں یہاں عربوں کا اچھا خاصا عمل دخل معلوم ہوتا ہے۔" صفحہ (۲۷۱)

یہ تو خیر وہ اثر تھا جو نووارد تاجروں نے قائم کر لیا تھا۔ اور یہ اثر اس وقت تک برابر قایم اور موجود رہا جب کہ شاہانہ کرّوفر کے ساتھ خلجی فوجیں دریائے نربدا کو عبور کر کے جنوبی ہند کے آخری نقطہ پر جا پہنچیں چنانچہ ملک کافور نے ۷۱۰ھ میں معبر اور کرناٹک پر حملہ کیا، بلال دیو کرناٹک کا راجہ گرفتار ہوا اور پیشکش کی ادائی پر رہا کر دیا گیا۔

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو دکن میں اردو طبع ثالث

اس کے بعد وہ زمانہ آتا ہے جبکہ محمد تغلق نے دولت آباد کو ہندوستان کا پائے تخت قرار دیا اور دہلی کے علماء اور فضلاء دکن چلے آئے، محمد تغلق کا حکم کرناٹک پر بھی چلتا تھا۔
سلطان محمد تغلق کے آخر زمانہ میں اس کے دیگر صوبہ داروں کی طرح معبر بھی خود مختار ہوگیا، جلال الدین احسن جو قوم توائط سے تھا یہاں کا بادشاہ بن بیٹھا۔ دکن کے دوسرے علاقے تلنگانہ اور مہاراشٹر بھی دہلی کی حکومت سے علٰحدہ ہوگئے۔ بہمنی سلطنت قائم ہوگئی کیتنا نایک نے ورنگل میں اپنا راج قایم کیا اور ہری ہر نے بیجانگر کی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اس آخرالذکر سلطنت نے ترقی کرکے اپنی عظمت و شوکت کی خوب نوبت بجائی اور وہ مرتبہ حاصل کرلیا جو قدیم راجاؤں کو بھی نصیب نہیں تھا۔ کرناٹک کا پورا علاقہ معبر کے ساتھ اس کے زیر حکومت و اقتدار تھا۔

جنوب کی ان دونوں بڑی ریاستوں، بہمنی اور بیجانگر میں ہمیشہ جنگ وجدل کا بازار گرم رہا کرتا تھا، کبھی اس کو اور کبھی اس کو غلبہ حاصل ہوتا رہا۔ فیروز شاہ بہمنی کا حملہ جو ایک سنار کی لڑکی پرتھال کی حمایت میں ہوا تھا، تاریخ دکن کا مشہور واقعہ ہے، اس لڑائی کا انجام صلح پر ہوا اور دونوں سلطنتیں شیر و شکر ہوگئیں، مہاراجہ بیجانگر کی دختر سے سلطان نے شادی کی اور داماد کی حیثیت سے دھوم دھام کے ساتھ بیجانگر میں داخل ہوا (۸۱۰ھ) مگر اس کے بعد ان دونوں سلطنتوں میں ایک زبردست جنگ ہوئی۔ اور بہمنی سلطنت نے افسوسناک شکست پائی جس میں مدار المہام سلطنت بہمنی ملک انجو بھی مارا گیا۔
دکن کی اسلامی سلطنت بہمنی کے زوال پر جب دکن میں پانچ خود مختار حکومتیں قایم ہوئیں تو ان کے حملے بیجانگر پر بھی ہوتے رہے۔ آخر ان کی متحدہ قوت نے بیجانگر کے راج کو کامل شکست دیدی۔ رام راج مہاراجہ گرفتار اور قتل ہوا سلطنت کے حصے بخرے ہو کر چھوٹی

چھوٹی ریاستیں اناگنڈی، ادہونی، میسور، اور معبر وغیرہ کی قایم ہوگئیں پھر سیواجی نے کرناٹک کا رُخ کیا۔ چنجی اور ویلور سے بیجاپور کی عادل شاہی فوج نکال دی گئی۔ اس طرح سنہ ۱۱۰۰ھ کے اواخر میں ملک کرناٹک عادل شاہی قطب شاہی اور سیواجی کے راج میں منقسم تھا جب اول الذکر دونوں سلطنتوں پر عالمگیر کا قبضہ ہوگیا تو مغلیہ فوج کرناٹک کی طرف بھی متوجہ ہوئی اسد خاں کی نیابت میں حملہ ہوا۔ اور نصرت جنگ اِدھر متوجہ ہوا۔ (۱۱۰۳ھ) کئی سال تک مغلیہ فوج اِدہر متوجہ رہی آخر سنہ ۱۱۰۵ھ[۱] میں قلعہ چنجی فتح ہوا۔ اس طرح ملک کرناٹک مغلیہ قلمرو کا جزین گیا۔ اور نواب سعادت اللہ خان کو یہاں کا صوبہ دار مقرر کیا گیا۔

سعادت اللہ خان کے بعد علی دوست خان یہاں کے صوبہ دار بنے اور پھر صفدر علی خاں صوبہ دار ہوئے مگر اپنے رشتہ دار غلام مرتضیٰ خان جاگیردار ویلور کے ہاتھوں قتل ہوئے اور فتنہ و فساد کی آگ روشن ہوگئی، آصف جاہ اول جو دکن کے صوبہ دار ہو چکے تھے (۱۱۴۲ھ) رفع فساد کے لئے اِدہر متوجہ ہوئے۔ انورالدین خان کو یہاں کا صوبہ دار مقرر فرمایا۔ سلطنت مغلیہ کی طرف سے بھی منظوری صادر ہوگئی (۱۱۵۵ھ)

یہ وہ زمانہ ہے جبکہ انگریز اور فرانسیسی تجارت سے گزر کر ملک گیری کی طرف متوجہ ہوگئے تھے اور ہندوستان میں اپنی سلطنت قایم کرنے کا مستحکم ارادہ کرلیا تھا، ہر وقت توسیع حکومت اور وسعت ملک کا خیال ان کے دامن گیر تھا۔

۱۱۵۵ھ میں جب نواب انورالدین خان گوپاموی کرناٹک کے صوبہ دار مقرر ہوچکے ہیں تو اس وقت مدراس میں انگریزی اثر صاف طور سے محسوس ہو رہا تھا، انگریزی کمپنی کے لیئے یہ امر اب عملی سیاسیات میں شامل تھا کہ نواب انورالدین خان سے راہ و رسم پیدا کیے

---

[۱] قلعہ چنجی کی فتح کی تاریخ اس کے دروازہ پر کندہ ہے، اس کے لئے ہم مولانا شاطر ناظلی اڈیٹر مصنف کے ممنون ہیں۔

چنانچہ انگریزی ارباب حل وعقد نے اس پر بہت کافی توجہ کی اور ان کو نواب انورالدین خان کے پاس فرانسیسیوں کے بہ نسبت زیادہ تقرب حاصل ہوگیا۔

اس اثناء میں انگلستان اور فرانس میں جنگ چھڑ گئی اور اس کا اثر ان کی ہندوستانی عملداریوں میں بھی رونما ہوا۔ فرانسیسیوں نے مدراس پر حملہ کردیا اور اس پر ان کا قبضہ ہوگیا، آخر انگریزی حکام دربار انوری کی جانب تائید او راعانت کے لئے رجوع ہوئے، اس موقع پر نواب انورالدین خان نے جو توجہ کی اس کی بدولت مدراس پر پھر انگریزی قبضہ ہوگیا۔

اس سلوک پر اہل انگلستان نے اپنی بڑی ممنونیت ظاہر کی اور صوبہ دار کرناٹک اور شاہانہ انگلستان سے براہِ راست سلسلہ نامہ وپیغام شروع ہوا[1] اور وعدہ کیا گیا کہ سلطنت انگلستان اس حسن سلوک کے عوض اس امر کا لحاظ رکھے گی کہ ریاست کرناٹک خاندان انوری میں نسلاً بعد نسلٍ قایم وبرقرار رہے۔

اس اثناء میں آصف جاہ اول نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا، مرحوم کی جانشینی کے لئے سرزمین دکن میں جو ہنگامہ محشر برپا ہوا، اس میں انگریزی اور فرانسیسی دونوں اقوام کو قسمت آزمائی کا بہترین موقع ہاتھ آیا۔

ہدایت محی الدین خان مظفر جنگ (آصف جاہ اول کے نواسے) کو یہ مناسب معلوم ہوا کہ فرانسیسیوں کو اپنی فوج میں شامل کرلیں، انورالدین خان کی زندگی تک ابھی انگریزوں کو فوج میں دخل حاصل نہیں ہوا تھا۔ لیکن ان کی شہادت کے ساتھ نواب والا جاہ کے لئے ضروری تھا کہ ایک مغربی قوم کے مقابلہ کے لئے دوسری مغربی قوم کو سامنے لائیں، اس کے بعد دکن وکرناٹک کی سرزمین پر وقت بوقت حالات اس سرعت سے بدلتے گئے کہ انگریزی فوج

---

[1] خطوط در انڈیا آفس۔

جو پہلے نوکروں کی حیثیت سے داخل ہوئی تھی اب خود آقا ہونے لگی۔ اس زمانہ کی تاریخ پر ابھی بہت
تاریکی چھائی ہوئی ہے۔

نواب انورالدین خان کی شہادت کے بعد نظامت ارکاٹ کے لئے حسین دوست خان
چندا صاحب اور والاجاہ فرزند انورالدین خاں میں نزاع برپا ہوئی، فرانسیسی فوج نے
حسین دوست خان کا ساتھ دیا نواب والاجاہ نے جاگیرات کے بعوض انگریزی فوج کو بلوایا
بالآخر حسین دوست خاں مارے گئے، اور نواب والاجاہ نہ صرف ناظم ارکاٹ بلکہ کرناٹک
کے خود مختار حاکم تسلیم کر لئے گئے، آگے چل کر دربار مغلیہ اور آصفی سے بھی اس کی سند عطا ہوگئی۔

فرانسیسی ارباب سیاست نے نواب حسین دوست خاں کے بعد بھی اپنی حکومت قایم
کرنے کے لئے ہاتھ پیر مارے، لیکن وندی واش کے تاریخی معرکہ کے بعد ان کی قوت میں
بالکلیہ ضعف آگیا۔ اور بعد ازاں اسی سلسلہ میں نواب والاجاہ نے پانڈی چری پر بھی قبضہ کرلیا۔

اب انگریزی تفوق روز بروز بڑھنے لگا تا آنکہ خود والاجاہ کی زندگی میں انگریزی
حاکم بن بیٹھے۔ سنہ ۱۲۱۰ھ میں والاجاہ کا انتقال ہوا ان کی جگہ ان کے فرزند عمدۃ الامراء مسند نشین
ہوئے، اور صرف چند سال کی حکومت کے بعد ۱۲۱۶ھ میں انتقال فرمایا۔ اب انگریزی
کمپنی کی قوت نہایت مستحکم ہوگئی تھی، لارڈ ویلزلی کا دور دورہ تھا۔ عمدۃ الامراء کے جانشین
تاج الامرا کی خدمت میں چند شرائط کمپنی کے جانب سے پیش ہوئے جن کو انہوں نے منظور
نہیں کیا۔ اس جرم میں وہ نظر بند کر دیئے گئے، اور والاجاہ کے ایک دوسرے پوتے
عظیم الدولہ کو ارکاٹ کا حکمران بنایا گیا جنہوں نے کمپنی کے شرائط منظور کر لئے۔ یعنے
(سنہ ۱۲۱۶ھ) سالانہ بارہ لاکھ نقد اور ۱/۵ حصہ محاصل پر قناعت کرلی اور سلطنت پر کمپنی کا عملاً قبضہ ہوگیا۔
عظیم الدولہ کے انتقال پر اعظم جاہ (سنہ ۱۲۳۴ھ) اور پھر ان کے انتقال پر غلام محمد غوث خان

(سنہ ۱۲۴۱ھ) مسندِ حکومت پر متمکن ہوئے ۔ غدر کے دو سال پہلے سنہ ۱۲۷۶ھ میں ان کا انتقال ہوا ۔ ان کے مرنے پر اس برائے نام حکومت کا بھی خاتمہ ہوگیا ۔ اور خاندان والاجاہی کے ایک فرد عظیم جاہ کو پرنس آف ارکاٹ کے لقب کے ساتھ سالانہ چند ہزار کا وظیفہ کر دیا گیا ، عظیم جاہ کے بعد ظہیر الدولہ اور پھر انتظام الملک اور منور خان یکے بعد دیگرے وظیفہ پاتے رہے ، فی زمانہ نواب سر محمد علی خان بہادر پرنس آف ارکاٹ کے لقب سے ملقب اور وظیفہ پاتے ہیں [1]۔

یہ وہ سیاسی افراتفری ہے جس کے درمیان علاقہ مدراس میں اردو کو نشو و نما پاتا تھا ۔ اور ان مشکل حالات میں جو بھی کام ہوا ہے وہ نہایت قابل قدر ہے ۔
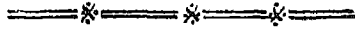
[1] تاریخی حالات کے لئے حسب ذیل کتب سے مدد لی گئی ہے ۔

(۱) تاریخ فرشتہ (۲) عہد سلف مولف مولوی مرتضیٰ مرحوم (۳) سعید نامہ مولف جونت رائے ۔ (۴) تحفۃ الحکام مولف حسین علی ۔ (۵) تاریخ ارکاٹ مخطوطہ (صفی الدین مرحوم) (۶) حالات ارکاٹ از مولوی مرتضیٰ مرحوم ۔

پہلا باب

ماقبل سنہ ۱۱ھ
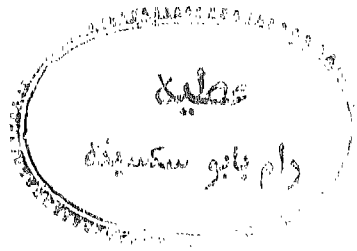
"دکن میں اردو" میں یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ بہمنی سلطنت کے زمانہ میں عام طور سے دکن میں اردو مروج تھی، اور بول چال کے مدارج سے ترقی کرکے خود تحریری صورت میں آچکی تھی۔ بہمنی سلطنت کے حدود میں کرناٹک کا بڑا حصہ بھی شامل تھا۔

کرناٹک کے دوسرے حصہ پر بیجانگر کی حکومت تھی، یہ اگرچہ ہندو راج تھا مگر تمدن و معاشرت میں بہت کچھ اسلامی سلطنتوں سے مشابہ تھا۔ اس راج کا بانی راجہ ہری ہر مسلمانوں کے تمدن و معاشرت سے بخوبی واقف تھا، اور اُس کی عمر کا بڑا حصہ محمد تغلق کے ساتھ بسر ہوا تھا، اس کی اولاد میں راجہ اچت رائے میں مذہبی تعصب بالکل نہیں تھا جس کے باعث بعض امرائے اسلام اس کے یہاں پناہ گزیں ہو گئے تھے، اور ان کے لئے ہر طرح کی آسایش فراہم کی گئی تھی، ان کے لئے مکانات بنا دئے گئے تھے، اور وہ آزادی کے ساتھ مذہبی مراسم ادا کرتے تھے، اس طرح ہندو اور مسلمانوں میں مراسم تھے، دونوں آپس میں شیر و شکر تھے۔

جب بہمنی سلطنت میں جو بیجانگر کی ہمسایہ تھی اردو کا رواج تھا تو ناگزیر ہے کہ یہاں بھی اثر ہو خصوصاً جب کہ دونوں سلطنت کے باہمی تعلقات قایم تھے، اور بیجانگر کی

راج کنواری سلطنت بہمنی کے تاجدار کی ملکہ تھی۔ مگر افسوس ہے کہ سر دست کوئی تحریری ثبوت اس وقت کی اُردو کا جو کرناٹک یا ارکاٹ سے متعلق ہے پیش نہیں کیا جاسکتا۔

سلطنت بہمنی کے زوال پر بیجاپور کی عادل شاہی، اور گولکنڈہ کی قطب شاہی حدود میں کرناٹک کا بڑا حصہ شامل ہوگیا، یہاں کے شاعروں اور ادیبوں میں یقیناً کرناٹک کے باشندے بھی شامل تھے، چنانچہ نصرتی[1] کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ کرناٹک کا باشندہ تھا[2]۔ یقینی طور پر ہم جس ارکاٹ کے شاعر کو پیش کرتے ہیں وہ مومن ہے۔

مومن | میاں عبدالمومن نام اور مومن تخلص، چیناپٹن (مدراس) کے رہنے والے تھے، مہدویہ مذہب کے پیرو تھے۔ اپنے مذہب کے بانی سید محمد جونپوری کے حالات میں ایک مثنوی اسرارِ عشق نام تصنیف فرمائی تھی جو ۱۰۹۲ھ میں مکمل ہوئی ہے۔

خاصی ضخیم مثنوی ہے، کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے:

کہو لتے[3] تھے اگن میں تیر بازی — دکھاتے تھے فلک کو تیغ بازی
سمنداہ کا بلے صرصر سجی تھی — کچھی نگری کی بجلیاں کی بجی تھی
یوں ہور برق ملدی آگ کوں ناؤ — جلالت کا دکھا رہے سور کی بہاؤ
ارے توں ازل سوں شاہ کا جام — کیا تیرے طلب کا خوش سر انجام

اس زمانہ کے دیگر شعرا سے سر دست ہم ناواقف ہیں، بہت ممکن ہے آئندہ مزید اضافہ کیا جاسکے۔

---

[1] نصرتی علی عادل شاہی عہد کا ملک الشعرا تھا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو دکن میں اُردو طبع ثالث صفحہ [illegible]
[2] چمنستان شعراء مؤلفہ شفیق۔ [3] اس مثنوی کا کوئی اور نسخہ ہم کو نہیں ملا۔ اس لئے اشعار کی صحت تحقیقی نہیں کہی

دوسرا باب

از سنہ ۱۱۰۰ھ تا سنہ ۱۲۰۰ھ

عہدِ سعادت اللہ خان

ہم بیان کر چکے ہیں کہ اوائل سنہ ۱۱۰۰ھ میں کرناٹک پر مغلیہ قبضہ ہوا، اور سعادت اللہ خان یہاں کے صوبہ دار مقرر ہوئے ان کو شعر و سخن سے خاص دلچسپی تھی۔ ان کے دربار میں شعراء کے کلام پر مباحثہ ہوتا۔ اور غواصی، وجہی، نصرتی کے تصانیف کا ذکر رہا کرتا۔ سعادت اللہ خان خود بھی شاعر تھے، اور اُن کو شعر کا اچھا مذاق تھا۔ فی البدیہہ شعر کہا کرتے۔ ایک مرتبہ بیجاپور کے شاعر عبداللہ ذاکر نے اپنی درخواست نظم میں پیش کی، اس پر انہوں نے اسی بحر میں تجویز فرمائی۔ محرم میں اکثر اوقات دکھنی زبان میں مرثیے کہا کرتے جو فصاحت اور بلاغت کے لحاظ سے اپنی آپ نظیر ہوتے تھے۔

ان کے زمانہ میں فارسی کے زبردست شعراء ارکاٹ میں جمع ہو گئے تھے۔ جن میں قزلباش خاں، فضل اللہ خاں، آقا محمد مقیم، دکھنی رائے اور ان کے بھائی بسنت رائے۔ محمد امین اسرائیلی وغیرہ مشہور ہیں۔[1]

افسوس ہے کہ ہم کو ان کے زمانہ کے اردو شعرا کی فہرست معلوم نہیں۔ صرف لالہ جسونت رائے متخلص بہ منشی کا پتہ چلتا ہے، جو فارسی کے ساتھ دکھنی میں بھی طبع آزمائی کرتے تھے

[1] سعید نامہ ص۹۸، و ص۷۸

منشی

لالہ جسونت رائے، منشی اپنا تخلص کرتے تھے۔ فارسی اور اُردو کے اچھے شاعر تھے سعادت اللہ خان کے دربار سے تعلق تھا۔ اعلیٰ خدمات سے سرفراز تھے تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ سعادت اللہ خان کے حالات میں ایک ضخیم تاریخ سعید نامہ[1] کے نام سے قلم بند کی ہے۔ اس میں ان کے کئی فارسی قصیدے بھی شامل ہیں۔ جو موقع بہ موقع پیش کئے گئے تھے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ منشی فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے۔ ایک فارسی مثنوی گلکدہ عشق بھی تصنیف کی تھی جو غواصی کی اُردو مثنوی موسوم بہ سیف الملک و بدیع الجمال سے اخذ کی گئی تھی۔

غرض کہ منشی نہ صرف شاعر تھے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ایک بلند پایہ انشاپرداز بھی تھے محمد امین اسرائیلی کا تعلق ان کے سررشتہ سے ہی تھا۔ انہوں نے ایک کتاب "گلشن سعادت" میں اس زمانہ کے خطوط جمع کئے ہیں، اس میں جسونت رائے کے خطوط بھی شامل ہیں۔ ان سے بھی ان کی فارسی قابلیت کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔

منشی فارسی کے ساتھ اُردو میں بھی خاصی مہارت رکھتے تھے۔ ایک مثنوی گلدستہ عشق نام سے ۱۱۲۹ھ[2] میں تصنیف کی تھی۔ اگرچہ اس کا کوئی نسخہ ہماری نظر سے نہیں گزرا مگر سعید نامہ میں اس کے بعض اشعار موجود ہیں۔

کہتا ہوں اتا وصف ممدوح کی[3] ۔۔۔ کہ ہے تس منی خاصیت نوح کی
جو تک اوس کی بخشش کا ہیسے ابھال ۔۔۔ کرے دہرت کوں بحر و کاں کی مثال
اچھی اوس کی مقدم نے گلشن بنہار ۔۔۔ میسر گلاں کو خستراں میں بہار

---

[1] اس کا ایک مخطوطہ دفتر دیوانی و مال سرکار نظام کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ [2] سعید نامہ ص ۱۹
[3] صرف ایک نسخہ پیش نظر ہے۔ اس لئے ان کی صحت کا موقع نہیں ہے۔

ہیں کوئی شجاعت منے اوس کا جوت
کریا فتح پل میں گھراں ملک و کوت

نشتی کی غزل کا نمونہ :-

چاند شرماتے کیا گل کو تیرے رو کے اکل
خون ہوا فاقہ کا دل نگہت گیسو کے اکل

تیر قالب میں جلیا تیرے تجہ قد کوں نہا
ہوگئی حلقہ کماں جہل سوں تجھ ابرو کے اکل

دیکھ کر روپ لیہے دو دست تحیر کے منے
جب توں لے شوخ رکھی آرسی زانو کے اکل

کیا ہے جنت جو کہتے کیا ہے فردوس بریں
کیا ہے گلزار ارم جو کہتے تجھ رو کے اکل

کیا ہے وہ سرو سہی کیا ہے وصنوبر کی مثال
کیا جو شمشاد کہتے قامت دلجو کے اکل

کیا ہے لالاں کی جوانی کیا ہے وہ موتیاں کی جھلک
کیا وہ شبنم جو کہتے گل کا تری خو کے اکل

کیا ہے نشتی جو کہتے سحر اچھے کیا وہ طلسم
ہے فسوں کیا وہ ترے طبع سخن خو کے اکل

نیں وہ مکہ جو پڑیا زلف کے بالاں تے نکل
گل پڑیا باغ منے سنبل و ریحاں تے نکل

ہے یو سب بات غلط بل کے تو بہانے کو دلاں
ناگہاں چاند پڑیا بہارا بہالاں تے نکل

قال ہے مکہ کا تیرے یا ہے یو گل لالہ کا تل
یا لگیا داغ میرے دل کا ہے آہاں تے نکل

ہے یو آفت کا الف یا ہے بالا کی بل
یا پڑیا مصرع موزوں کسی دیواں تے نکل

قد تیرا راست کہتے حسن کے گلزار منے
اے سہی سرو کیا تازہ نہالاں تے نکل

نشتی یو شعر ہے یا ہیں اچھے سحر کے پو
یا کے موتیاں سنے پری چشمہ حیواں تے نکل [1]

---

[1] سعید نامہ

عہد انورالدین خان اور والاجاہ

صفحات ماقبل میں اس امر کا ذکر ہو چکا ہے کہ ۱۱۵۶ھ میں انورالدین صوبہ دار ہوئے اور ان کے بعد والاجاہ مسندِ حکومت پر بیٹھے۔ سنہ ۱۲۱۰ھ میں والاجاہ کا انتقال ہوا۔ ان کے بعد ان کی اولاد مسندِ ارکاٹ کی مالک بنی۔ نواب والاجاہ اور ان کے چاروں جانشین علم دوست تھے۔ ان کے زمانہ میں بڑے بڑے علمائے ذی وقار، مشایخ طریقت، اطبائے حاذق شعرائے نامدار جمع تھے، جن کے عربی فارسی اور اردو تصنیفات موجود ہیں بعض اہل علم اور شعرا کے نام پیش کئے جاتے ہیں، جو اس زمانہ میں دربارِ ارکاٹ سے وابستہ تھے۔

ملک العلما، بحر العلوم مولانا عبد العلی چشم و چراغ فرنگی محل، حقایق دستگاہ مولانا محمد باقر آگاہ، فضیلت مآب مولانا محمد غوث شرف الملک، معرفت آگاہ قاضی اسلام مولانا صبغۃ اللہ مدار الامرا، مولانا عبد الوہاب قاضی ارتضا علی خان، مولوی محمد سعید اسلمی، مولانا عبد القادر، حافظ احمد خان، اعظم الملک مولانا امین الدین خان عالم خان فاروق، برہان خان ہاندی مولف تزک والاجاہی، مولانا غلام حسین مولف تفسر والاجاہی، افضل العلما محمد ارتضا علی خان خوشنود وغیرہ۔

ان اہل علم کے علاوہ جن میں سے بعض شعر و سخن کی مشق بھی رکھتے تھے، ارکاٹ میں اور بھی صدہا شاعر ایسے تھے جنہوں نے ملک سخن سے داد لی، بعض کے نام حسب ذیل ہیں:

شیخ محمد امین اسرائیلی، محمد اسمعیل خان ابجدی، میر امداد علی امداد، افصح الشعرا حسین علی افصح، طرازش خان احسن، سید مرتضیٰ بینش، میر مہدی ثاقب، افضل الشعرا شیریں سخن خان راقم، محمد حفیظ اللہ فرحت، سید ابو سعید والا، مولوی محمد مہدی واصف۔ ان میں سے بعض صرف فارسی گو تھے، اور بعض فارسی اور اردو دونوں میں شعر کہا کرتے۔

خاص خاندان والاجاہی کے بعض افراد بھی شاعری کرتے تھے، چنانچہ تاج الامراء متخلص بہ ماجد، عظیم جاہ متخلص بہ عظیم محمد انورخان سیف الملک متخلص بہ مختار اور نواب محمد غوث خان متخلص بہ اعظم وغیرہ کے نام لئے جا سکتے ہیں، آخر الذکر نواب کا فارسی اور اردو کلام شایع ہو چکا ہے اور دو فارسی تذکرے شعراء کے حالات میں بھی تصنیف فرمائے تھے، جو صبحِ وطن اور گلزار اعظم سے موسوم ہیں۔

جب خاندان شاہی کو شعر و شاعری کا مذاق ہوا اور حکمرانِ وقت شعر و سخن سے دلچسپی لینے کے علاوہ خود بھی مشق سخن کرتا ہو تو ظاہر ہے کہ امرائے دربار میں بھی شعر و شاعری کا عام چرچا ہو چکا۔ چنانچہ بعض امرائے دربار جو شعرائے ارکاٹ کی فہرست میں آتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:۔

محمد محفوظ خان شہامت جنگ محفوظ، غلام اعز الدین خان مستقیم جنگ نامی، صفی الدین محمد خان ناصر، قادر علیخان منور جنگ نظیر وغیرہ۔

ان میں سے اکثر نہ صرف فارسی گو تھے بلکہ اردو شاعری بھی کرتے تھے۔

مولانا باقر آگاہ مولانا محمد صبغۃ اللہ کے اردو تصنیفات بیسیوں ہیں، ثاقب، واصف بینش، راقم کے دیوان، مثنویاں، قصائد مشہور رہیں، بہرحال رؤسائے ارکاٹ نے بھی اردو کی سرپرستی فرمائی ہے اور ان کے خوان کرم سے بیسیوں علما، شعرا، اور مصنفین نے حصہ پایا ہے۔ اب ہم تفصیل کے ساتھ اس دور کے اردو گو شعرا کو متعارف کرتے ہیں۔

شاہ ابوالحسن قربی[1]

شاہ ابوالحسن کی پیدائش ۱۱۱۰ھ میں بیجاپور میں ہوئی، مگر چار سال کی عمر میں ویلور آئے، اور ۱۱۸۲ھ میں یہاں آپ کا وصال ہوا شاہ صاحب اپنے عہد کے بہت بڑے عالم اور فاضل تھے، پھر اپنے وقت کے ایک

---

[1] گلزار اعظم

صوفی صافی اور خدا رسیدہ بزرگ بھی، مولا باقر آگاہ کو شاہ قربی ہی سے فیض ظاہری اور باطنی حاصل ہوا تھا۔

مولف تذکرہ گلزار اعظم کے بیان کے مطابق شاہ صاحب کو شاعری کا خاص ذوق تھا فارسی کے علاوہ دکھنی میں بھی شعر کہا کرتے مگر افسوس ہے کہ سر دست ان کے کلام کا نمونہ پیش نہیں کیا جا سکتا۔

ولی ویلوری[۱] دکن کا یہ دوسرا ولی ہے، جس کا نام میر ولی فیاض تھا، وہ اولاً سات گڑھ علاقہ مدراس کے قلعہ دار کی سلک ملازمت میں شامل تھا پھر سدہوت کے قلعہ داروں کے یہاں ملازم ہوا، آخر زمانہ میں ملازمت سے سبکدوش ہو کر اپنی جاگیر چٹ پٹہ (علاقہ مدراس) میں اقامت کر لی، اور وہیں انتقال کیا۔ سنہ انتقال کا پتہ نہیں چل سکا ہے۔

ولی کے تصانیف کی تفصیل اور کلام کا نمونہ "سدہوٹ" کے بیان میں آئے گا۔

والہ[۲] سید محمد نام اور والہ تخلص، خراسان کے رہنے والے تھے، حیدرآباد پہونچ کر انورالدین خان کے ملازم ہوئے، جب انورالدین خان، ارکاٹ کے صوبہ دار ہو گئے (۱۱۵۸ھ) تو والہ بھی ان کے ساتھ ارکاٹ چلے گئے وہ صاحب تصنیف تھے۔ فارسی نظم و نثر میں کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان کا فارسی کلام رنگینی اور نازک خیالی کے باعث مشہور ہے والہ کی طبیعت میں زندہ دلی اور صوفی منشی زیادہ تھی۔ وہ خوش مزاجی اور خوش اخلاقی میں مشہور تھے۔ ہندو اور مسلمان دونوں سے اتحاد تھا، صلح کل آپ کا طریقہ تھا۔

والہ کے چشمۂ فیض سے بہتوں نے فیض پایا۔ وہ نہ صرف ایک بہت بڑے شاعر تھے

۱؎ یورپ میں دکھنی مخطوطات۔ ۲؎ گلزار اعظم، و محبوب الزمن۔

بلکہ اپنے وقت کے نقاد بھی تھے۔

جنوبی ہند کے متعدد تذکروں میں والہ کا ذکر موجود ہے ۱۱۸۱ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ اور ارکاٹ ہی میں دفن ہوئے۔

والہ کی اردو تصانیف میں ایک مثنوی "طالب اور موہنی" نام اور ایک کتاب "رازق باری" ہے۔

مولوی عبدالحق صاحب بی اے معتمد انجمن ترقی اردو نے اپنے ایک انگریزی مضمون میں جس کا ترجمہ کاروان بابت ۱۹۱۳ء میں شائع ہوا ہے۔ "طالب و موہنی" کے مصنف والہ کو قطب شاہی شاعروں میں شمار کیا ہے۔ مگر اپنے دعوے کی تائید میں کوئی ثبوت پیش نہیں کیا ہے ہم کو اس خیال سے اتفاق نہیں ہے۔

اوّل تو قطب شاہی شاعروں میں کوئی شاعر والہ تخلص کا نہیں ملتا۔ اور پھر زبان کی تدریجی ترقی کے لحاظ سے "طالب و موہنی" قطب شاہی دور کی تصنیف ہرگز نہیں قرار دی جا سکتی بلکہ بارھویں صدی ہجری کی تصنیف ہو سکتی ہے۔

انڈیا آفس (لندن) کے کتب خانہ میں اس کا ایک مخطوطہ ہے۔ جس کا ذکر ہم نے اپنی تالیف "یورپ میں دکھنی مخطوطات"[۱] میں کر دیا ہے۔ اور والہ کی اس مثنوی کو ہم نے ارکاٹ کے مخطوطات میں شامل کیا ہے۔ ہمارے اس دعوے کی تائید حکیم سید شمس اللہ قادری صاحب کے ایک مضمون سے بھی ہوتی ہے جو عثمان نامہ میں شائع ہوا ہے۔

طالب و موہنی ایک عشقیہ مثنوی ہے۔ جو ایک ہزار سے زیادہ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے قصہ کا خلاصہ حسب ذیل ہے:-

---

[۱] صفحہ ۲۱۷

ایک خوبصورت مسلمان نوجوان طالب نامی کا ایک گاؤں کے پن گھٹ پر گذر ہوا۔ یہاں ہر صبح ہندو عورتوں کا جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ اس گاؤں کے مہاجن کی دختر موہنی نہایت حسین و جمیل تھی۔ یہ بھی پانی کے لئے آیا کرتی۔ موہنی اور طالب کی نگاہیں چار ہوئیں۔ اور طالب موہنی کے تیر نگاہ سے زخمی ہوکر بے ہوش ہوگیا۔ موہنی نے خیال کیا کہ وہ مرگیا مگر جب اسے ہوش آیا تو اس نے اپنے عشق کا حال بیان کیا اور موہنی کے ساتھ چلا۔ مہاجن کا مکان آیا۔ اور موہنی اندر چلی گئی۔ طالب اس کے دروازہ پر جم گیا۔ مہاجن کو اس کی اطلاع ہوئی کہ ایک نوجوان مسلمان دروازہ پر بیٹھا ہے اور خود کو موہنی کا عاشق بتاتا ہے۔ وہ غصہ سے باہر آیا اور طالب کو فہمایش کی کہ اس کو بدنام اور رسوا نہ کرے اور چلا جائے۔ طالب پہ کوئی اثر نہ ہوا۔ لوگوں نے مہاجن کو سمجھایا کہ دیوانہ ہے جانے دو۔

اس طرح تین دن گذر گئے۔ طالب نہ تو کھایا پیا اور نہ وہاں سے اٹھا۔ مہاجن کو تعجب ہوا اور لوگوں سے مشورہ کیا۔ انھوں نے رائے دی اس کو کھلا پلاکر یہاں سے رخصت کر دیا جائے، مہاجن دال روٹی لے کر آیا۔ مگر طالب نے کھانے سے انکار کیا۔ ایک شخص نے رائے دی، موہنی کے ہاتھ سے کھانا روانہ کیا جائے۔ مہاجن نے اس پر عمل کیا اور طالب اب سیر ہوکر کھانا کھایا۔ اس کے بعد مہاجن نے پھر طالب سے خواہش کی وہ یہاں سے چلا جائے۔ مگر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر عامل سے شکایت کی گئی۔ اس نے طالب کو طلب کیا اور واقعات سے آگاہ ہوکر اس کے سچے عشق سے متحیر ہوا۔ مہاجن کو طلب کرکے فہمایش کیا کہ اس کو اپنے مکان میں رکھے اور خبرگیری کرے، کہیں یہ مرنہ جائے۔ اور طالب کو صبر سے کام لینے کی تاکید کی۔

طالب مہاجن کے مکان میں رہنے لگا۔ اور ایک مرتبہ موہنی کے ذریعہ اُس کو

کھانا دیا جاتا مگر اس سے بات چیت نہ ہوسکتی۔ کیونکہ مہاجن کا ایک سخت گیر ملازم ساتھ رہا کرتا تھا۔ موہنی کی دایہ طالب پر مہربان تھی۔ ایک مہینہ کے بعد ہولی کی عید آئی۔ اور دایہ نے طالب کو مشورہ دیا کہ فلاں باغ میں جا۔ وہاں موہنی سے بات چیت ہوسکتی ہے۔ طالب وہاں گیا۔ اور موہنی سے گفتگو ہونے لگی۔ اس عرصہ میں مہاجن کے ملازم کو خبر ہوگئی۔ وہ طالب کو قتل کرنے کے ارادہ سے باغ کو روانہ ہوا۔ مگر راستے میں ایک کالے ناگ نے اس کو کاٹ کھایا۔ اور وہ مرگیا۔ مہاجن کو اس کی اطلاع ہوئی۔ اس نے آخر مشورہ کرکے دایہ کو ایک دوسرے گاؤں میں چند روز کے لئے بھیج دیا۔ اور خبر اڑائی کہ موہنی بیمار ہے پھر ایک دن اس کا مرنا ظاہر کرکے فرضی جنازہ لے چلے۔ طالب بھی ماتم کرتا ساتھ ہولیا۔ راستہ میں لوگوں نے ملامت کی اور کہا مرنے پر بھی ساتھ نہیں چھوڑتا۔ عاشق کہلا کر زندہ ہے؟ حالانکہ معشوق مرگیا ہے۔ یہ سن کر طالب نے ایک کوئیں میں گر کر اپنے آپ کو ہلاک کرلیا۔ موہنی کو اس واقعہ کی اطلاع ہوی۔ وہ بھی کوئیں میں گر پڑی۔ اب لوگ جمع ہوئے اور کوئیں سے لاش نکالی گئی۔ مگر یہ موہنی کی تنہا لاش نہیں تھی۔ بلکہ عاشق اور معشوق دونوں باہم پیوست تھے۔ ان کو علحدہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ عامل کو بلانے کی خبر کی گئی۔ وہ آیا اور نماز جنازہ کے بعد ان کو ایک ہی قبر میں دفن کردیا گیا۔

مثنوی کے کچھ اشعار بطور نمونہ کلام پیش کئے جاتے ہیں:-

نمک سوں زخم پر مرہم لگایا ۔۔۔ قصہ موہنی و طالب کا سنایا

اٹھا ہے شوق سن کر یہ حکایت ۔۔۔ بندھا ہوں مختصر کر کو روایت

نظارہ پھول بن[1] کا شوق لایا ۔۔۔ فکر تیری کوں خیاباں میں ڈٹایا

---

[1] پھول بن ابن نشاطی کی مشہور مثنوی کا نام ہے۔ اس کا ذکر والہ کی مثنوی میں کئی جگہ آیا ہے۔ شاید مولانا عبدالحق صاحب نے اسی لحاظ سے والہ کو قطب شاہی شاعر تصور کرلیا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ مثنوی پھول بن اپنی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے ایک زمانہ دراز تک مشہور رہی۔ اس لئے اس کا ذکر ہوا ہے۔

ہوا ہے شوق والہ کا طبل باز   قصے پریوں کیا وہ طبل آواز
کہ تھا اس شہر میانے ایک مہاجن   دیا اس کوں خدا نے بخت اور دھن
دنیا دولت بہت اس کی ہر یک ٹھانؤ   سگل ہندواں میں اس کا بڑا ناؤں

ننگے سر ہو چلا تابوت کے ساتھ   سر اوپر اور سینے پر مارتا ہاتھ
کہے ہندواں کہ کیوں سر پھوڑتا ہے   موئے پر بھی اسے تیں چھوڑتا ہے
بہت بے شرم عاشق بوالہوس ہے   کہ دلبر مر گئی تجھ میں نفس ہے
وہ طالب عاشق صاحب وفا تھا   عشق میں روز اول سوں فدا تھا
یو طعنا جب سنا غیرت میں آیا   ڈولے سوں الپس کا مکھ پھرایا

کہ عاشق پاک بائیں میں گرا ہے   تیرے مرنے کے تئیں سن کر مرا ہے
اسی ساعت ہوی سن کر دوانی   ایسی بے خود کہ خود کو تیں پچھانی
شتابی دوڑ بائیں میں گری ہے   وہ طالب جیوں مرا یو بھی مری ہے

نکالے لاش دونو ..... مبتلا کی   عجب دیکھے ہیں وہاں قدرت خدا کی
دونو تن یک ہو مل کر رہے تھے   دونو ایک تن ایک من ایک دل ہو رہے تھے
وہ دونو ایک ہو کر یوں رہے مل   کہ اپس سوں جدا کرنا تھا مشکل

والہ کی غزل کا نمونہ : ـ

دیکھو یاران عشق کا حال کیا ہے   ستم ہے سکھ ہے راحت ہے بلا ہے
کبھی ہے جام جم خونِ دلِ اس پیا   کبھی آئینہ ابرو نما ہے
کبھی اس جام سوں بزمِ وفا میں   دماغِ دل کے تئیں مستی رسا ہے
کبھی اس آرسی کے باغ میانے   جگر کو داغ کا گل رونما ہے

وفاداروں کے تئیں وہ عین مقصود | ہوس ناکاں کے آگے اژدہا ہے
نہ پائے فخر رازی راز اِس کا | یو مسئلہ ان کتاباں سوں جدا ہے
چلا آئے عشق دل گھر میں تیرا | جو کچھ طالع کے پیش آئے روا ہے
منجے ہُنی نے مارے ہیں جلائے | غم و شادی جو اس سوں ہے بجا ہے
میری حالت کو شیریں داستاں میں | اگر والہ کہے اس میں مزا ہے[1]

والہ چونکہ خراسانی تھے اس لئے ان کی مادری زبان اردو نہیں تھی۔ وہ جوانی میں دکن آئے تھے یہاں کی معاشرت اور رسم و رواج سے واقف ہوکر زبان پر حاوی ہوجانا درحقیقت ان کی قابلیت کی بہت بڑی دلیل ہے۔

والہ کی یہ خوش قسمتی تھی کہ ان کو انورالدین خان سا ذی علم اور علم دوست سرپرست مل گیا۔ ارکاٹ جانے کے بعد وہاں بھی علمی ماحول ملا۔ شعر و سخن کی مجلسیں گرم رہا کرتی تھیں والہ خود صاحب علم و فن تھے۔ اس ماحول سے جس میں فارسی کے ساتھ اردو کا بول بالا تھا۔ والہ کو بھی دکھنی شعرگوئی میں کمال پیدا ہوگیا۔ اور ان کے اسی کمال و فن کی ایک یادگار یہ مثنوی ہے۔

مثنوی میں چھوٹے چھوٹے امور کو اس طرح بیان کیا ہے کہ وہ بالکل صحیح اور واقعہ معلوم ہوتے ہیں۔ والہ نے اس مثنوی کے دیباچہ میں صراحت کی ہے۔ کہ ایک برہمن سے ان حالات کو سنا تھا جن کو نظم کا جامہ پہنایا گیا ہے۔ اس مثنوی کے لحاظ سے ہم والہ کو ایک باکمال دکھنی شاعر قرار دینے پر مجبور ہیں۔ جس طرح فارسی میں انہوں نے بہت سا کلام یادگار چھوڑا ہے۔ اسی طرح ان کی یہ مثنوی اردو زبان میں یادگار رہے گی۔ مثنوی کی

---

[1] یورپ میں دکھنی مخطوطات ص ۲۴۳

زبان اس وقت کے لحاظ سے صاف اور سادہ ہے۔ اس کا تسلسل بیان قابل تعریف ہے

ایک اور امر بھی قابل تحریر ہے کہ میر تقی میر کی مثنوی دریائے عشق میں جو قصہ بیان کیا گیا ہے۔ وہ ان کا طبع زاد اور میر کی دماغی پیداوار خیال کیا جاتا ہے۔ مگر واؔلہ کی اس مثنوی کا پلاٹ قریب قریب وہی ہے۔ جو دریائے عشق کا ہے۔ اور واؔلہ کی یہ مثنوی دریائے عشق سے پہلے لکھی گئی ہے۔ اس لئے کیا تعجب ہے کہ میرؔ نے واؔلہ کی یہ مثنوی دیکھی ہو۔ اور دریائے عشق کو اسی سے اخذ کیا ہو۔

ابجدیؔ | میر اسمٰعیل نام اور ابجدی تخلص، ملا محمد قاسم فرشتہ کی اولاد سے تھا۔ اس کا خاندان بیجاپور کی تباہی کے بعد چنگل پیٹ علاقہ مدراس میں متوطن ہوا۔ ابجدی کی پیدائش اسی مقام پر ہوئی۔ سن شعور کو پہونچکر عربی اور فارسی میں مہارت تامہ حاصل کی۔ اور اپنے وقت کا استاد بن گیا۔ والاجاہ نے اسے اپنی ملازمت میں شامل کر لیا۔ اور اپنے لڑکے عمدۃ الامرا کی تعلیم اس سے متعلق کی، اس کے بعد ۱۱۶۹ھ میں ملک الشعراء کے خطاب سے ممتاز کیا۔ ۱۱۹۲ھ میں ابجدی کا انتقال ہوا۔ مدراس کے ایک محلہ میلا پور کی جامع مسجد میں مدفون ہے۔

ابجدی اپنے زمانہ کا زبردست شاعر تھا، فارسی کے ساتھ اردو میں بھی طبع آزمائی کیا کرتا۔ دونوں زبان میں دیوان مرتب کئے ہیں۔ انورنامہ ابجدی کا بہترین کارنامہ ہے یہ فارسی مثنوی ہے جو ارکاٹ کی تاریخ پر مشتمل ہے۔

انڈیا آفس میں ابجدی کے اردو دیوان کا ایک مخطوطہ موجود ہے یہ دیوان ۱۱۷۴ھ میں مرتب ہوا۔ انڈیا آفس کا نسخہ ۱۱۹۲ھ کا لکھا ہوا ہے۔ کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے۔

گرم ہے ہنگامہ ہر سو یار کا   ہے تماشا جلوۂ دیدار کا

---

[1] گلزار اعظم۔

منکر رویت نہ ہو اے فلسفی — دیدہ ہے یہاں دیدۂ دیدار کا
جان دینے پر بھی اگر ٹھارے یہ مول — مفت ہے سودا ترے بازار کا

سرور شاہ عثمان نام اور سرور تخلص، محمد پور عرف ارکاٹ کے رہنے والے تھے۔ انوار الدین خان (۱۱۵۶ھ تا ۱۱۶۴ھ) کے زمانہ میں موجود تھے۔ یہ مجذوب تھے اور حالت جذب میں شعر کہا کرتے۔ لوگوں نے ان اشعار کو جمع کر کے دیوان مرتب کر لیا۔ دیوان مختصر ہے۔ مدراس سے شائع بھی ہوا تھا۔ مگر اب نایاب ہے۔ اس کے مخطوطات بھی ملتے ہیں۔ چنانچہ راقم کے پاس ایک نسخہ موجود ہے۔

ارکاٹ کے محلہ تیلی واڑی میں ان کا مزار ہے جو زیارت گاہ خاص و عام ہے، گورنمنٹ کی جانب سے کچھ یومیہ بھی درگاہ کے نام جاری ہے۔

کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

جز نام محمد کوئی ایسا نہ ہوا پھر — تعریف کرے جس کی خدا وند جہاں کا
آتی نہیں تحریر میں تجھ حسن کی خوبی — محتاج نہیں عشق میرے شرح و بیاں کا

آستین جسم سے کھینچو تو قیامت ہوئی — اب تلک نوح نے دیکھا نہیں طوفاں میرا

شاخ بلند پر ثمر خام تھا مرا — اس پختگی نے خاک میں آخر ملا دیا

سرور کمال عقل سے عزلت نشین ہوا — گوہر کوں آبروئے عدم کے جلا دیا

غیرت سے مل گیا تو مرا اشک خاک میں — اوس روئے نوبہار کا شبنم نہ ہو سکا

فاختہ کس طرح کرے فریاد — طوق الفت نے جب گلا گھونٹا

جان و دل کو عشق نے سرور کے صد پارہ کیا — تو ہے کس امید پر اب اے گریباں الوداع
نسیم زلف سے باغ جمعیت کو پریشاں کر — گل آشفتگی کا اب تو مجنوں ہو رہا بلبل

۱؎ کیٹلاگ بلوم ہارٹ۔

کیا معجزہ ہے ابروئے شمشیر کا ترے — ہے دل کے وار پار بھی دشنا رحم نہیں

جب میرے رخ پو خجالت کی سیاہی نظر آئی — خود بخود میرے گناہوں کی گواہی نظر آئی

کس قدر شوق شہادت کا مجھے ہے قاتل — لاش دل دوش پو آہوں کے دھری رہتی ہے

وہ محبت ہے رکھے اس کے خداوند کریم — ہو کہ تنہا جو کرے پھر گلہ تنہائی

بوئے وفا کو گل کی طرح اے صبا میری — ٹوٹے کبھو قفس بھی خدا نا جدا کرے[1]

سرور کا زمانہ آج تقریباً دو سو سال پہلے کا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ دہلی میں شاعری کا نیا نیا آغاز ہوا تھا میر اور سودا کی شاعری چمک رہی تھی اگر ان لوگوں کے کلام سے سرور کے کلام کو ملا دیا جائے تو کچھ زیادہ فرق نظر نہ آئے گا اس سے قیاس کر سکتے ہیں کہ اس زمانہ میں جو زبان دہلی میں بولی جاتی تھی اور نظم و نثر کے لئے تحریری صورت میں آئی تھی وہی زبان دکن میں بھی تحریر کے لئے کام آتی تھی۔

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے سرور اپنے حالت جذب میں شعر کہا کرتے اور ان کو لوگوں نے جمع کر لیا۔ اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں سرور فطری شاعر تھے قدرت نے ان کو شاعری کی تعلیم دی تھی۔

غوثی | شاہ غوث جامی بھی ارکاٹ کے باشندے صوفی منش آدمی تھے افسوس ہے کہ کسی تذکرہ میں آپ کا کوئی ذکر نہیں ہے اس طرح آپ کے حالات پردۂ اخفا میں ہیں۔ آپ کی ایک تصنیف ریاض مسعود نام موجود ہے۔ یہ دراصل فارسی قصص الانبیاء کا دکنی ترجمہ ہے جو ۱۱۹۱ھ میں کیا گیا ہے اس مثنوی میں والاجاہ کی مدح بھی کی گئی ہے لیکن ہے

---

[1] دیوان سرور مخطوطہ مملوکہ راقم

والاجاہ ان کے معتقد بھی ہوں ۱۲۲۵ھ[1] میں ان کا انتقال ہوا ۔ معلی نے تاریخ نکالی ہے ۔ مثنوی کے آخر میں انہوں نے اپنے نام اور وطن کی بھی وضاحت کی ہے چنانچہ کہتے ہیں:

محمد پور کا غوثی رہنا را!! | کہتے ارکاٹ جس بلیے کو اظہار
تخلص سب جس کا غوثی ہے مذکور | وسلے ہے غوث جامی نام مشہور
زبان دکھنی میں مروارید رولیا، | عبارت فرس کی ہندی میں کھولیا

سبب تالیف کے بعد نور محمدی کا عنوان ہے اس کے بعد ولادت عزازیل" کا عنوان آتا ہے اس کے بعد سلسلہ وار انبیاء کے حالات بیان کئے گئے ہیں ۔ آدم، شیث ۔ نوح ۔ صالح ۔ ابراہیم ۔ لوط ۔ یوسف ۔ موسیٰ ۔ عیسیٰ کے قصے بیان کرنے کے بعد آنحضرت (صلعم) کے حالات شروع کئے ہیں ۔ شداد کی بہشت کا بھی ذکر ہے ۔

بعض نمونے پیش کئے جاتے ہیں :-

حضرت شیث علیہ السلام :-

اتھے آدم کے فرزنداں میں کامل | جو حضرت شیث (تھے) اس وقت فاضل
لے بھایاں سانھ دس کرتے زراعت | اتھے او ہور گذرتی تھی بہ راحت
شریک ان کے اتھے دس بھائی مل کر | حکم کرتے اتھے شیث ان پو اکثر
سو اس بھایاں سوں لیتے شیث تھے کام | اپے کرتے اتھے راحت سوں آرام
وہ بھایاں شیث کے کرتے تھے تکریم | برابر سب کے دیتے تھے وہ تقسیم

جنگ احد کے ذکر میں لکھتے ہیں :-

مدینے پرا و آئے پھر وگر بار | احد کے کوہ کنے اترے بلا عار

---

[1] از بیاض ملوکہ مولوی حبیب اللہ صاحب مرحوم

نبیؐ نکلے مدینہ سوں ہو تیار — نبیؐ کے سات بہوت تھوڑے تھے یار

ہوا تب جنگ حضرت سوں احد پر — بہوت کفار کے کنگئے وہاں سر

اتھی یک کوہ کے درے منی راہ — دغا کر کافراں آئے واں سوں ناگاہ

کرے وہ مومناں پو تیر باران — پراگندہ ہوئے تب جند یاران

علی مرتضیٰ اس شمشیر لے ہات — قتل کرتے تھے کفاراں کو ذات

کہ لیکر ذوالفقار وہ شیر یزدان — کرے نابود اکثر مرد میدان

شجاعت کا علیؑ کے تب پکارا — ہوا دونوں جہاں میں آشکارا[1]

اس قدر نمونہ سے غوثی کے کلام کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے دکھنی شعرا اکثر مثنویوں کے میدان ہی میں اپنی طبع کی جولانی دکھاتے تھے اور شاعری کے جوگی ہوئے کہلاتے تھے وہ درحقیقت زبان اردو میں ہمیشہ یادگار رہیں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مثنوی ہی کے ذریعہ رزم و بزم واقعہ نگاری وغیرہ کے جوہر بتلائے جا سکتے ہیں۔ غوثی کی یہ مثنوی بھی ایک بہترین مثنوی کہی جا سکتی ہے گو کہ آج کل کی زبان کے لحاظ سے متروک ہے۔

آگاہ[2] مولوی محمد باقر آگاہ تخلص، ان کے اجداد بیجاپور کے رہنے والے تھے، ان کے والد مولانا محمد مرتضیٰ بیجاپور سے ویلور آئے اور اسی کو وطن بنالیا، یہیں آگاہ کی پیدائش ۱۱۵۸ھ میں ہوئی۔

آگاہ کی ابتدائی تعلیم ان کے چچا کے پاس ہوئی اس کے بعد شاہ ابو الحسن قربی کے زیر تعلیم رہے۔ اور نہ صرف دنیوی تعلیم حاصل کی بلکہ ان کے مرید ہو کر روحانی تعلیمات کا فیض بھی انہیں سے حاصل کیا۔ یہ صرف حضرت قربی کے فیض صحبت کا اثر تھا کہ آگاہ

---

[1] از مخطوطہ مملوکہ مولوی عبداللہ صاحب۔ [2] صبح وطن و گلزار اعظم اور تاریخ النوائط

اپنے زمانہ کے عالم متبحر اور فاضل وقت تھے، اس کے بعد ترچناپلی میں شاہ ولی اللہ سے بھی درس لیا۔
شاعری میں بھی آگاہ نے قربی کی شاگردی کی، بقول آگاہ انھوں نے پندرہ سال کی عمر سے شعر گوئی کا آغاز کیا، عربی و فارسی اور اردو میں شعر کہا کرتے باقر اور آگاہ تخلص قرار دیا تھا۔

مولانا غلام علی آزاد پر صرف و نحو کے چار سو اعتراض کئے تھے، مگر اس کے باوجود ان دونوں میں بڑا اتحاد تھا، آگاہ نے اپنے اشعار میں اس دوستی کی طرف اشارہ کیا ہے۔
نواب والاجاہ آگاہ کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے، اپنے دو لڑکوں یعنی امیر الامرا اور عمدۃ الامرا کی اتالیقی ان کے سپرد کی تھی، اور رائپور کی جاگیر مرحمت فرمائی تھی آخر زمانہ میں دبیر خاص (پرائیوٹ سکریٹری) کی خدمت بھی ان ہی کو تفویض ہوئی تھی۔

آگاہ نے باسٹھ[۶۲] سال کی عمر پائی اور سنہ ۱۲۲۰ھ میں انتقال کیا وہ مدراس میں مدفون ہیں انھوں نے عربی و فارسی اور اردو تصنیفات کا گراں بہا ذخیرہ اپنی یادگار چھوڑا، جن کی تعداد (۳۰۳) بتائی جاتی ہے، ان میں سے (۱۶) اردو میں ہیں۔

آگاہ کا دیوان خاصا ضخیم ہے، راقم الحروف کے خاندان میں اس کے کئی نسخے ہیں، اس میں قصائد اور غزل رباعی وغیرہ ہر قسم کا کلام شامل ہے آگاہ نے قصائد میں فارسی قصائد کا تتبع کیا ہے، علاوہ ازیں قصائد میں خصوصیت سے سودا (جو ان کے ہمعصر تھے) کا رنگ نظر آتا ہے، یہ امر قابل اظہار ہے کہ آگاہ باوجودیکہ والاجاہ کی خاص عنایتوں سے سرفراز تھے، اور ہر وقت ان کو تقرب شاہی حاصل تھا، مگر کبھی کسی موقع پر بھی کوئی قصیدہ بادشاہ کی مدح اور تعریف میں نہیں کہا جس سے ان کی عالی حوصلگی اور عزت نفس کا ثبوت ملتا ہے۔
دیوان میں غزلیں ردیف وار ہیں، ان میں بھی سودا کا رنگ ملتا ہے، البتہ سودا کی طرح

تخیل کی بلند پروازی نہیں ہے، آگاہ عربی و فارسی کے جید عالم تھے، اور پھر روحانی تعلیم بھی پائی تھی، ارشاد و ہدایت کے مرکز تھے، ان وجوہ سے ان کے کلام میں معرفت کی جھلک اور تصوف کی چاشنی موجود ہے، بطور نمونہ کچھ کلام پیش ہے [۱]

جلوہ اس کا نہ رکھا کوئی تعین باقی ‏ ‏ وہم باطل کا عبث ہم کو ہے پندار ہنوز

پیری میں کٹ گئی سب افسوس زندگانی ‏ ‏ دیکھی کبھی نہ ہم نے ہوتی ہے کیا جوانی

ہر مصرعہ رسا میرا طوبی سے ہی قریب ‏ ‏ کاندھے پہ ہے دبیر فلک کے علم مرا

ہے یار کا میرے سینہ میں بود و باش ہنوز ‏ ‏ عجب ہے پھر مجھے اس کی ہے کیوں تلاش ہنوز

نشہ میں تیرے جو سو گئے ہم ‏ ‏ بے ہوش دو جگ سے ہو گئے ہم

تکلیف سیر مجھ کو نہ دے ہرگز اے صبا ‏ ‏ مانند بو مجھے ہے سفر تہ وطن کے بیچ

شکوہ ہے اوس کے جور کا آگاہ اب عبث ‏ ‏ تو جان بوجھ کر اوس سے دل اپنا لگا دیا

تجلی میں کس کی فنا ہو گیا ہوں ‏ ‏ کہ ہستی نے سایہ کو میرے نہ پایا

خونابہ جگر سے گزرگاہ میں تیری ‏ ‏ ہر ہر قدم نگار ہوا کیا مزہ ہوا

بتوں کے عشق میں رکیو مجھے معذور اے زاہد

کہ میں آئینہ و دیدار میں ان کے خدا پایا

عریاں ہوا ہے محفل رنداں میں شیخ تو ‏ ‏ تجکو جو نیک نام کیا یہ لباس ہے

آتے ہی نہیں نظر میں کسی کے ‏ ‏ سر مشق خط غبار ہیں ہم

زلف میں موںہہ کو چھپا یا نہ کرو ‏ ‏ شام کو صبح میں لایا نہ کرو

---

[۱] مخفی نہ رہے کہ آگاہ کے تصانیف کا سلسلہ سنہ ۱۲۰۰ھ سے ہو چکا تھا اس لئے ان کو اس دور میں شامل کیا گیا ہے ورنہ ان کا انتقال تو سنہ ۱۲۲۰ھ میں ہوا ہے۔

کب شعلۂ نار عشق کا دل تاب لا سکے
ذرہ میں آفتاب کہاں سے سما سکے[۱]

ایک قصیدہ کا نمونہ ملاحظہ ہو: ۔

دیدۂ دل کو لگا کر فکر و نظر کی عینک — دیکھتا تھا میں شب غور سے در ملک و ملک
کس لئے دور نہار یسی ہے سرگرداں عرش — شوق سے کس کی لگی ہے دل کرسی کو چپک
پھرتے ہیں کاہیکو ہو زیر و زبر یہ افلاک — اس قدر کس لئے جاتے ہیں وہ گردش سے بھٹک
نظر آتا نہیں عشاق مجازی سے کوئی — کہ ملاحت سے تیری اوس پہ نہیں خون نمک
سلسلہ ہیں تیری ان کے ہیں بہت سے عقلا — پر تو با این ہمہ شوکت ہے مقید بے شک
نہیں حسن مجازی سے مجھے کچھ سروکار — دل کیتن میری نہ بھاتی ہے کبھو اوس کی لٹک
روشن آباد کے نور سے ہے طلعت تیری — سرحد روم و عراقین سے لے تا بہ اٹک
لعنت ظاہر و باطن سے تیری شام و سحر — سب کیتیں خوب چمکاتی ہیں وہ رہ رہ چمک
جس طرف رخ کئے اپنا وہ بعزم تسخیر — تاری جاتی تھی اعدا پہ ظفر کی شیلک
اوس کی شمشیر مچایا ہے کھنا کھن ایسا — دل میں بہرام کے جس شور سے چھبتی ہے دھمک[۲]

مثنوی کا نمونہ آگے آتا ہے: ۔

مولانا آگاہ کے اردو تصانیف کی صراحت ذیل کے نقشہ سے ہو سکتی ہے ۔

شمار	نام کتاب	فن	شمار	نام کتاب	فن
۱ ۔	ہشت بہشت	سیر	۳ ۔	محبوب القلوب	سوانح
۲ ۔	ریاض الجنان	سوانح	۴ ۔	تحفۃ احباب	مناقب

[۱] و [۲] از مخطوطہ کتب خانہ مولوی خلیل اللہ صاحب ۔

شمار	نام کتاب	فن	شمار	نام کتاب	فن
۵	تحفۃ النساء	مناقب	۱۱	دیوان اردو	ادب
۶	رسالہ فرقہ ہائے اسلام	عقائد	۱۲	روضۃ الاسلام	"
۷	ہدایت نامہ	"	۱۳	ریاض السیر	سیر
۸	معراج نامہ	"	۱۴	خمسہ متحیرہ	ادب
۹	رسالہ عقائد	"	۱۵	مثنوی روپ سنگار	"
۱۰	مثنوی گلزار عشق	ادب	۱۶	فوائد در عقائد	عقائد

بعض کتابوں کے متعلق مختصر وضاحت کی جاتی ہے ۔

(۱) "ہشت بہشت" یہ در اصل آٹھ رسالوں کا مجموعہ ہے جس کی تصنیف ۱۱۸۴ھ سے ۱۲۰۶ھ تک ہوئی ہے ۔ ہر رسالہ کا نام علحدہ ہے اور ان میں آنحضرت صلعم کی سیرت مبارک کا ذکر کیا گیا ہے ۔

یہ تصنیف چند خصوصیتیں رکھتی ہے اول تو یہ کہ اس وقت تک دکھنی زبان میں اس قسم کی کتابیں تصنیف نہیں ہوئی تھیں اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ یہ اپنے مضمون کے لحاظ سے پہلی کتاب تھی ۔ اس سے پہلے جو کتابیں اس مضمون کی تھیں وہ چھوٹے قصوں سے ملو تھیں اس کتاب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عربی اور فارسی کی معتبر کتابوں سے مواد حاصل کیا گیا ہے ۔ تیسرے یہ کہ اس وقت کی عام فہم اور سلیس زبان میں لکھی گئی تھی عربی اور فارسی یا سنسکرت کے موٹے موٹے الفاظ کا زیادہ استعمال نہیں کیا گیا ہے یہ آٹھوں رسالے آٹھ مختلف بحروں میں ہیں اور ان کے نام بھی مختلف ہیں ۔

ذیل میں نفس مضمون کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے ۔

حضرت خدیجہ کا آنحضرت پر اسلام لانا ۔

اول روز خدیجہ خاتون — لائی ایمان مقدم سب سون
بھی اوسی روز بل بوقت عصر — لائی ایمان حیدر صفدر
بعد زید و ابو ذر و بلال — لائی ترتیب سے ایمان فی الحال

جنگ کے حالات کا مجمل ذکر کیا ہے مصنف اس امر سے واقف تھا کہ آنحضرت کی سیر میں جنگ کا بیان کوئی اہمیت نہیں رکھتا بلکہ دیگر واقعات جن سے اصلی سیرت پر روشنی پڑتی ہے زیادہ ضروری ہوتی ہے ۔

اور اسی سال ہوا فرض جہاد — اوس شہنشہ کے اوپر رکھ تو یاد
اوس کے غزوات تھے سب ستائیس — کہ انہا اون میں سے شہ بالنفس نفیس
ہوئی دس جنگ میں ای یار لڑائی — باقی جنگوں میں نہیں ہوئی ای بھائی
جو لڑایاں میں گیا نہیں وہ رئیس — ہی عدد اون کا تو سن سینتالیس
یہ جہادات سن ای اہل ادب — ہوی دس سال میں واقع سب
سال چہارم میں ہوا ہی نازل — حکم قصر صلوات ای کامل
سال پنجم میں ای دوست سچ — فرض مولا نے کیا سب پر حج
سال ششم میں ہوی ای یاران — سب پہ مشروع نماز باران
اور صلواۃ خسوف اور کسوف — سنت اس امت پو ہوی ہی معروف
ہوی اوسی سال میں نازل ہی یار — بیگمان آیت احکام ظہار
میانی اتھی شاہ کی سر کے بال — خم و سیدی پن بیچ ای حکیم اجال
درازی میں پہونچی تھی کہاندی کنی — یوں آیا ہی اکثر حدیثان منی

کبھی سر منڈایا نہیں اونام دار
مگر حج کے ایام میں ایک بار

دیا بانٹ اصحاب کون سب او بال
رکہے سب اوسی اپنی جی کی مثال

او سرور کیں سیس بہر بال تھے
دلان صید کرنے کیں جال تھے

نہایت تھے خوشبو او موی سیاہ
ہی کہنا اوسی مشک و عنبر گناہ

ہی ہی یک روایت میں اسد ہات سے
کہ دھوتا تھا سر بیر کی پات سے

ہی سنت اھی بال رکہنا تمام
نگاہ اوس کی کرنا ہر صبح و شام

دانت ۔ گردن کہاندے ، سینہ شکم بازو پاؤں قامت ، رنگ ، چال ہر ایک اعضا کو یہاں تفصیل سے بیان کیا ہے ۔ اس کے بعد اخلاق کا ذکر ہے ۔

آپ کی سخاوت اور رحمت کا ذکر دیکھو ۔

سخاوت میں کوئی اوس کی ثانی نہیں
نہ تھا جود کون اوس کی کر کا کہیں

سوال سون دیا اونت روز حنین
غریبان کون اہ خلق کا نور عین

بقول ہوازن دیا چھے ہزار
درم او شہنشاہ عالی تبار

نوی یک مسلمان کون او بی بدل
دیا یک جنگل بہر کو بکری سگل

کہا قوم کون جا کو ای گمرہان
محمد اوپر لاؤ ایمان جان

سخاوت کون اوس کی نہیں انتہا
یو ظاہر سخاوت کا ہی مدعا

میں رحمت کا اوسکی کروں کیا بیان
سراہا ہی اوسکون خدا در قران

رکھا رحمت العالمین اوس کا نام
روف رحیم بہی لے سے شتاو کام

شہنشاہ کی رحمت ای نام ور
اتھی سب پوچھتی کہ شیطان ورپہ

شرم و حیا ۔ سخاوت ۔ شجاعت ۔ رحمت ۔ ملنساری ۔ تواضع ۔ فروتنی اور

اخلاقی امور کو بھی تفصیل سے بیان کیا ہے۔

یہی کہتا اتھا یوں اوشاہ نول — میرا کل غم ہے سوامت بدل
مجے دونو عالم میں کچھ کم نہیں — بجز در دامت مجے غم نہیں
یہی غم اتہا اوسس کوں دنیا میں — یہی فکر اچھے اوس کو عقبیٰ میں
یہی جاناا تہا شاہ مریضاں کے گھر — یہی ہوتا تہا حاضر جنازی اوپر
بلاتا اگر کوئی ضیافت لئے — تو جاتا شہنشاہ گھر اوس کی چلے
کوی اصحاب سوں گر نہ آتا نظر — بہت پوچھتا تہا اوسی جہد کر

ہشت بہشت کا ایک نسخہ برٹش[1] میوزیم میں ہے اور ایک نسخہ پیرس[2] کے قومی کتب خانے میں ہمارے خاندان کے افراد کے پاس بھی اس کے متعدد نسخے ہیں۔

پیرس کے نسخہ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ کاتب کے لکھنے کے بعد مصنف نے اس پر نظر ثانی کی ہے اور کئی اشعار کا اضافہ، ترمیم اور اصلاح وغیرہ کی ہے

یہ کتاب مدراس اور بمبئی میں متعدد مرتبہ طبع ہوئی ہے اور ایک زمانہ دراز تک لوگ اس کے خواہشمند رہے جب بدرالدولہ نے آنحضرت کی سیرت "فوائد بدریہ" اردو نثر میں مرتب فرمائی تو اس لئے کہ اب زبان کافی ترقی کر چکی تھی اور اس میں بہت کچھ اصلاح ہو چکی تھی۔ اس لئے اس کتاب کا رواج نہ رہا۔

بہر حال آگاہ کی یہ تصنیف خاص حیثیت رکھتی ہے

---

[1] برٹش میوزیم کا نمبر 5-60667 ہے
[2] کتب خانہ پیرس کا نمبر (872 INDIAN)

(۲) ریاض الجنان[1] یہ مثنوی ہے جو اہل بیت کے فضائل میں لکھی گئی ہے اس کی تصنیف ۱۲۱۰ھ میں ہوئی ہے اس کے دیباچہ سے کئی ایک امور پر روشنی پڑتی ہے اس لئے اس سے کسی قدر انتخاب ذیل میں درج کیا جاتا ہے ۔

دیباچہ میں حمد و نعت اور ان کتابوں کی تفصیل کے بعد جن سے اس کو مرتب کیا گیا ہے لکھتے ہیں :-

"بعضے علماء اُن مناقب اشرف کو فارسی کتابوں میں سیر کے درج کئے ہیں لیکن کوئی کتاب مستقل اس بیان میں اب تک دیکھنے میں نہیں آئی پس تصنیف ہونا اُس کا ہندی زبان میں معلوم ۔ مگر یہ کہ ولی ویلوری و شیدائے حیدرآباد دکھنی زبان میں دو نسخے منظوم لکھتے ہیں اُن کا نام روضۃ الشہدا اور روضۃ الاطہار مناقب عترت اخیار کے اُن دونوں میں بہت کم ہیں بلکہ نہیں ہیں واقعات شہادت کے کچھ تفصیل کئے ہیں اور اکثر بیان دونوں کا غلط اور بے اصل ہے جیسا انتقام چہارم عکاشہ کا آنحضرت صلعم سے ......"

"...... اکثر اہل سیر اس فن کے تساہل و تہاون انکاری کیفیتیں شیوہ اپنا کیا کر کر تواریخ کی لکھنے میں ضبط و تدقیق نہیں کئے بلکہ رطب و یابس جو پائی سو لکھ گئے اس جہت سے ان کی کتابوں میں غلط باتیں اور بے اصل روایتیں بہت پائی جاتی ہیں جیسا حبیب السیر اور روضۃ الصفا اور روضۃ الشہدا بخلاف ثقات محدثین کے کہ تصانیف اُن کی غایت تحقیق سے موزوں اور نہایت تدقیق سے مشحون ہیں ...."

"... اور لوح لے یعنی کہ یہ عاصی بیدرویں سال سے شعر کے ساتھ الفت

---

[1] اس مثنوی کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں (۶۵۵۵) اور ایک نسخہ پیرس میں ہے (۲ ۸۷) ہمارے خاندان میں بھی اس کے کئی نسخے ہیں ۔

اور ارتباط رکھتا ہے اگرچہ شعر کم کہتا تھا اسی واسطے تخلص اپنا مدت تک مقرر نہیں کیا تھا جب ۱۱۸۴ھ اور ۱۱۸۵ھ میں بعضے رسائل ہشت بہشت کی منظوم کیا لفظ باقر کا جز نام ہے بجائے تخلص رکھا من بعد ۱۱۹۴ھ وقت نظم کرنے دیوان عربی کے تخلص اپنا آگاہ مقرر کیا اس تخلص کو عربی فارسی میں لایا اور اکثر مراثی اور ریختیوں میں بھی اسی تخلص کو اختیار کیا اور تتمہ رسائل ہشت بہشت میں کہ بیچ سنہ کے منظوم ہوتی اور بیچ کتاب محبوب القلوب کے درسنہ ۱۲۰۱ھ کی منظوم ہوئے اور اس رسالہ میں کہ ریاض الجنان نام رکھتا ہے تخلص اپنا وہی باقر رکھا ہے کیا واسطے کے رسائل اول کے جابجا مشہور ہوئی تھی اگر بعد ہوئی سو رسالوں میں تخلص آگاہ لاتا تو دو تخلص ہوتے اس واسطے وہی تخلص باقی رکھا تا سب مثنویات دکھنی میں ایک تخلص رہے ۔"

اس صراحت سے جن امور پر روشنی پڑتی ہے وہ یہ ہیں :-

(۱) مناقب کے متعلق کوئی مستقل کتاب فارسی میں نہیں تھی آگاہ نے اس مضمون کو اردو میں ایک مستقل کتاب کی صورت میں مرتب کیا ۔

(۲) ولی ویلوری اور شید لئے حیدرآبادی نے دو کتابیں شہادت امام حسین میں مرتب کی تھیں مگر وہ صداقت سے دور غلط واقعات پر مبنی تھیں ۔

(۳) اس وقت کی جتنی کتابیں سیر وغیرہ پر لکھی گئی تھیں وہ بھی اسی طرح غلطیوں سے خالی نہیں تھیں ۔

(۴) آگاہ نے پندرہ سال کی عمر سے شاعری شروع کی ۔

(۵) ۱۱۸۴ھ میں جبکہ ہشت بہشت کے چند رسالے مرتب ہوئے اپنا تخلص باقر قرار دیا ۔

(۶) ۱۱۹۴ھ میں عربی دیوان مرتب ہوا جس میں آگاہ تخلص رکھا گیا۔
(۷) اسی زمانے میں فارسی کلام میں اسی تخلص کو اختیار کیا گیا۔
(۸) آگاہ نے مراثی اور اردو غزلیں بھی کہیں جن میں آگاہ تخلص ہے۔
(۹) محبوب القلوب اور ریاض الجنان ۱۲۰۶ھ میں مرتب ہوئے جس میں باقر تخلص ہے۔

---

(۳) "محبوب القلوب" اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم کے نمبر ۵۰ ک ۶۷۶ پر موجود ہے۔[۱]
یہ ایک مثنوی ہے جس میں تقریباً ۳۸۰۰ شعر ہیں۔ اس میں شیخ عبدالقادر جیلانی کے حالات بیان کئے گئے ہیں ابتدا میں چھ ورق نثر میں دیباچہ بھی درج ہے۔

(۴) "تحفۂ احباب" اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم کے نمبر ۴: ک ۷۶۵ پر موجود ہے[۲]
یہ بھی مثنوی ہے جس میں تقریباً ۳۵۰۰ شعر ہیں۔ اس میں اصحاب کی فضیلت اور مناقب بیان کئے گئے ہیں کتاب میں چھ باب ہیں اور ہر باب میں کئی کئی فصلیں ہیں ابتدا میں ایک دیباچہ نثر میں لکھا گیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے علماء دکھنی زبان کو زیادہ وقعت نہیں دیتے تھے چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"اے بھائی اکثر بلکہ سب دکھنی کتاباں بنانے والے بیان میں ایسی بہت غلط کئے ہیں کہ اس زبان کو بے اعتبار کر دیے اس لئے علماء اُن کتابوں طرف التفات نہیں کرتے آج تک کوئی کتاب دکھنی صحیح و معتبر میری نظر میں آئی نہیں۔ بعضے اُن سے سرتا پا جھوٹ سے بھری ہیں اور بعضوں میں جھوٹ زیادہ ہے اور بعضوں میں جھوٹ کم ہے روایات موضوع کا سننا اور سنانا اور پڑھنا اور پڑھانا

---

[۱] و [۲] ہمارے خاندان میں متعدد نسخے موجود ہیں۔

اشد حرام ہے اس بات پر سب علماء کا اجماع ہے شکر خدائے تعالیٰ کا کہ میرے تمام رسائل بہت صحیح و معتبر و نہایت مضبوط و مدلل ہیں کوئی محدث اور صاحب علم کو مقدور نہیں کہ اس کی کوئی روایت پر حرف رکھ سکے۔"

(۵) "تحفۃ النساء" اس کا ایک نسخہ پیرس کے قومی کتب خانہ میں نمبر ۸۰۲ پر موجود ہے[1] یہ بھی مثنوی ہے جس میں ۸۰۰ شعر ہیں اور اس کی تصنیف ۱۱۸۵ھ میں ہوئی ہے۔

اس مثنوی میں ازواج مطہرات اور دیگر خواتین کی فضیلت بیان کی گئی ہے مثنوی کے مضمون کو خود بیان کر دیا ہے:-

امت میں نبی کی جو ہیں عورات	افضل ہیں سب عورتاں سے سن بات
لکھتا ہوں میں اس کتاب اندر	احوال نساء کا اے برادر
اس شاہ کی دختراں کا احوال	اس شاہ کی عورتاں کا احوال
امت میں جو عورتاں تھے کامل	تھا قرب خدا کا ان کو حاصل

سب سے پہلے فاطمہ زہرا کی فضیلت ہے اس کے بعد دیگر صاحبزادیوں پھر ازواج اور اس کے بعد رابعہ بصری وغیرہ دیگر خواتین کا بیان ہے۔

(۶) "رسالہ فرقہ ہائے اسلام" یہ بھی پیرس میں موجود ہے نمبر ۸۰۲[1]۔ اس مثنوی کے اشعار تقریباً ۳۲۵ ہیں اس میں صرف فرقہ ہائے اسلام کا ذکر نہیں ہے بلکہ عقائد مثلاً اسماء صفات رویت۔ حسن و قبح۔ عفو۔ ایمان۔ توبہ۔ فاسق وغیرہ کا بیان بھی ہوا ہے۔

پہلا شعر حسب ذیل ہے۔

خدا کوں سزاوار ہے حمد و ثنا	کہ ہے گا مبرا ز نقص و فنا

---

[1] اس کے نسخے بھی ہمارے خاندانی کتب خانوں میں موجود ہیں۔

(۷) "ہدایت نامہ"[۱] یہ بھی پیرس میں نمبر ۸۷۲ پر موجود ہے۔ اس مثنوی کے اشعار تقریباً ۲۵۰ ہیں اور اس میں گناہوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

پہلا شعر:۔

کروں آغاز حمد حق سوں اول — کہ تا نامہ ہووے بیگی مکمل

(۸) "معراج نامہ"[۲] پیرس میں ہے نمبر وہی ۸۷۲ اشعار کی تعداد ۲۵۱ ہے قدیم شعراء کی مثنویوں میں حمد و نعت کے بعد ضرور معراج کا عنوان قایم کیا جاتا تھا جس میں آنحضرت کے معراج کے حالات بیان کئے جاتے تھے۔ بعض شاعروں نے معراج کے متعلق علیحدہ مستقل تصنیفیں کی ہیں جن کے منجملہ یہ بھی ایک ہے۔ پہلا شعر حسب ذیل ہے:۔

سرانا خدا کوں سزاوار ہے — ہر اک ذرہ اس کا مو دار ہے

(۹) "رسالہ عقائد"۔ پیرس[۳] کے ۸۷۲ نمبر پر موجود ہے۔ اشعار کی تعداد تقریباً ۱۰۰ ہے اس مثنوی میں جیسا کہ نام سے ظاہر ہے عقائد کا ذکر ہے۔

(۱۰) "مثنوی گلزار عشق"[۴] (عرف قصہ رضوان شاہ و روح افزا) یہ مصنف کی معرکہ آرا تصنیف ہے۔

اس کا ایک نسخہ آکسفورڈ کے بوڈلین لائبریری میں موجود ہے۔

کتاب میں سب سے پہلے ۴ اصفحے کا نثر میں دیباچہ ہے جو اپنے بیان کے لحاظ سے قابل قدر ہے جس کی صراحت آگے آئے گی۔ کل مثنوی تقریباً ۳۵۸۱ شعر پر ختم ہوتی ہے۔ یہ مصنف کے آخری زمانہ کی تصنیف ہے جو سنہ ۱۲۱۱ھ میں تصنیف ہوئی ہے اور

---

[۱] و [۲] ان کے نسخے بھی ہمارے خاندان میں موجود ہیں۔

[۳] و [۴] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

ان کا انتقال سنہ ۱۲۲۰ھ میں ہوا ہے۔

جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا گیا ہے اس کتاب کا دیباچہ بھی خاص حیثیت رکھتا ہے جس میں پہلے حسب رواج حمد و نعت وغیرہ کے بعد اس امر سے بحث کی گئی ہے کہ زبان کو خدا نے اپنی قدرت کی بڑی علامت قرار دی ہے اس کے بعد نصرتی کی تصنیفات پر بحث کرتے ہوئے شعرائے عادل شاہی وغیرہ کے ذکر کے ساتھ اردو کی ابتدا اور اس کی ترقی بتائی ہے چنانچہ لکھتے ہیں :-

"مقصود اس تمہید سے یہ ہے کہ اکثر جاہلان بے معنی اور ہرزہ درایاں لایعنی زبان دکھنی پر اعتراض اور گلشن عشق و علی نامہ کے پڑھنے سے اعراض کرتے ہیں اور جہل مرکب سے نہیں جانتے کہ جب تک ریاست سلاطین دکن کے قائم تھے زبان ان کی درمیان اُن کے خوب رائج اور طعن شماتت سے سالم تھی اکثر شعرا وہاں کے مثل نشاطی، فراقی، شوقی، خوشنود، غواصی، ذوقی، ہاشمی، شغلی، بحری، نصرتی، مہتاب وغیرہم کے بے حساب ہیں اپنی زبان میں قصائد و غزلیات و مثنویات و مقطعات نظم کئے اور داد سخنوری کا دئے لیکن نصرتی ملک الشعرا تنگ نظری سے مبرا ہے۔

جب شاہان ہند اس گلزار جنت نظیر کو تسخیر کئے طرز در روزمرہ دکھنی نہج محاورہ ہندی سے تبدیل پانے لگے تا آنکہ رفتہ رفتہ اس بات سے لوگوں کو شرم آنے لگی اور ہندوستان مدت تک زبان ہندی کہ اُسے برج بھاکا بولتے ہیں رواج رکھتی تھی اگرچہ لغت سنسکرت ان کی اصل اصول اور مخرج فنون فروع و اصول ہے پیچھے محاورہ برج میں الفاظ عربی و فارسی بتدریج داخل ہونے لگے اور

اسلوب خاص کو اُس کی کھو لینے لگے۔ سبب سے اس آمیزش کے یہ زبان ریختہ سے مسمیٰ ہوئی۔ جب تنائی وظہوری نظم و نثر فارسی میں بانی طرز جدید کے ہوئے ولی گجراتی غزل ریختہ کی ایجاد میں سبھوں کا مبتدا اور اُستاد ہے بعد اُس کے جو سخن سنجان ہند پیروز گئے (؟) بے شبہ اس نہج کو اُس سے لئے اور من بعد اس کو باسلوب خاص مخصوص کر دئیے اور اُسے اُردو کے بھاکے سے موسوم کئے اب یہ محاورہ معتبر شہروں میں ہند کے جیسا شاہجہاں آباد و لکھنؤ و اکبر آباد وغیرہ رواج پایا اور جون چاہی سبھوں کی من بھایا۔

اواخر عہد محمد شاہی سے اس عصر تلک اس فن میں اکثر مشاہیر شعرا عرصہ میں آئے اور اقسام منظومات کو جلوے میں لائے ہیں مثل درد۔ مظہر۔ فغاں، دردمند۔ یقین۔ سوزاں۔ ایر۔ آرزو۔ سودا۔ تاباں وغیرہم لیکن ان سبھوں نے کوئی بھی مثنوی مستعد (؟) بھی نہیں کیا فقط غزلیات و قصائد و مقطعات پر اکتفا کیا۔ بارے اس عصر میں حسن دہلوی یک مثنوی مختصر لکھا دریافت اس کی میر مصنف پر موقوف رکھنا اولیٰ ہے۔ برخلاف شعرائے دکن کے کہ اکثر مثنویات کہیے ہیں۔ بالاتفاق غزل بولنا آسان ہے اور مثنوی کا کہنا دشوار و گراں ہے اس لئے ملک شعرا دکن بطور تعریض کہتا ہے ؎

دس پانچ بیتاں کہ لئے شوقی اگر تو کیا ہوا　　　معلوم ہوتا شعر اگر کہتے تو اس بستار کا

اس کے بعد وہ شعرا کے اقسام بتاتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں :—

" اور یو ہے اے بھائی کہ ان سب شعرا میں بعضے فقط شاعر ہیں اور بعضے شاعر کے سات چاشنی عشق۔ عرفان میں بھی ماہر ہیں مثلاً مولانا شاہ ندیم اللہ

ندیم تخلص و قاضی محمود بحری تخلص صاحب من لگن شعرائے دکن سے اور مرزا مظہر جانِ جاناں وخواجہ میر درد شعرائے ہند سے بعد ازیں مخفی نہ رہے تمام ریختہ گویوں میں سودا اقبال نمایاں پایا۔"

اس بیان کے بعد سودا اور نصرتی سے بحث کی ہے اور ان کا مقابلہ کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں :--

"بعضے اس قدر اس کے باب میں دفتر اغراق کھولتے ہیں کہ اس بیچارے کو سب شعرائے ریختہ گو بلکہ تمام ادبائے فارسی سے افضل و بہتر بولتے ہیں اور داعجاب واحسنا ملک الشعرا نصرتی کو نہیں مانتے اور قدر اس کے سحر حلال کی نہیں جانتے بڑی دستاویز ان کی یہ ہے کہ زبان اس کی کج مج ہے۔ زہی دریافت و خوشنما سخن فہمی و عجب سمجھ آیا نہیں جانتے کہ اتفاق سے شعرائے عرب و عجم و ہند کے معنی جان سخن آبدار اور لباس مستعار ہے......"

اس کے بعد گلشن عشق سے نصرتی کا کچھ کلام درج کر کے لکھتے ہیں :-

"تعصب کو یک طرف رکھ کر سب کلیات سودا کو بغور ملاحظہ کر کر انتخاب کیجیے اور ان سبھوں کو یک داستان گلشن عشق یا علی نامہ سے مقابلہ دیوے تا اندازہ سے اس کی اور اس کی بواقعی واقف ہوے۔ سودا کو چھوڑ دے جس شاعر فارسی گو سے چاہے خواہ قصائد میں خواہ مثنوی میں اسے موازنہ میں لاوے بالفعل بھی مہر و ماہ یکتائی فن طرازی عاقل خان رازی کی تین قصہ مہر و مدمالتی کا گلشن عشق سے مواجہہ کر دیکھیے تا معنی مثل دکھنی کے ہاتھ کنگن کو آرسی کیا کار خوب سمجھے ؎

کبھی نصرتی سن کے یہ ولولہ	ملا بعد مدت کے مجکو صلہ

کہا سودا کیتیں انصاف سے   کہ صدقے کرو مجکو آگاہ کے"

نصرتی کو سودا سے فوقیت دینے کے بعد وہ سودا کے کمال کے بھی انصاف کے ساتھ معترف ہیں چنانچہ کہتے ہیں :۔

"باوجود ان سب مراتب کے ہم انصاف کرتے ہیں کہ مرزا رفیع سودا قصائد و غزل میں بڑا سخن تراش و صاحب تلاش ہے محاورہ شستہ و صاف ہیں یگانۂ زمانہ اور شوق مزاج و رنگینیٔ طبیعت میں ہر کہیں افسانہ پر افسوس کہ ہجو ہائے رکیک سے آشنانہ[۹] اور از نذین و رنگینی[۱۰] سے بیگانہ تھا۔"

اس کی صراحت کے بعد وہ اس امر کو بیان کرتے ہیں کہ گلشن عشق اور علی نامہ کو دیکھ کر کسی مثنوی کے لکھنے کا شوق ہوا اور اس مثنوی کی ابتدا کی مگر چھ سو اشعار کے بعد دیگر تصنیفات میں مشغول ہو گئے۔ اس کے بعد اپنی کتابوں کی تفصیل دی ہے جن کا ذکر صفحات بالا میں ہو چکا ہے۔ اس دیباچہ میں بھی اپنے تخلص کی صراحت کی ہے ان امور کے بعد بتایا ہے کہ اس مثنوی کو دکھنی زبان کے بجائے شمالی ہند کی اردو میں لکھا گیا ہے اور پھر اس کی وجہ بتائی ہے چنانچہ لکھتے ہیں :۔

"ابیات ان سبھوں کے تخمیناً چوبیس ہزار ہیں اس لئے تکمیل قصۂ عشق کی نہیں ہوئی الحال کہ تاریخ ہجرت یا جاہ و جلال کے بارہ سو پر گیارہ واں سال ہے قصہ رضواں شاہ و روح افزا کا پسند کر کر اُسے نظم کیا۔ جب زبان قدیم دکھنی اس سبب سے کہ آگے مرقوم ہوا اس عصر میں رائج نہیں ہے۔ اُسے چھوڑ دیا اور محاورہ صاف و شستہ کو کہ قریب روزمرہ اُردو کی ہے اختیار کیا صرف اس بہا کے بیں کہنے سے دو چیز مانع ہوئے اوّل یہ کہ تاثیر وطن یعنی دکن،

اس میں باقی ہے کیا واسطے کہ اجداد پدری و مادری اس عاصی کے اور سب قوم اس کی بیجاپوری ہیں دوسرے یہ کہ بعضی اوضاع اس محاورہ کے بہتر دل میں بھاتے نہیں از اں جملہ یہ کہ تذکیر و تانیث فعل نزدیک اہل دکن کے تابع فاعل ہے اگر یہ مذکر ہے تو وہ بھی مذکر ہے اور اگر مونث ہے تو مونث۔ یہ قاعدہ موافق قاعدہ عربی کے ہے کہ سید الالسنہ ہے اور قیاس صحیح بھی اس کی تائید کرتا ہے برخلاف محاورہ اردو کے کہ اس میں نسبت فعل کی مفعول کی طرف کر کر مذکر کو مونث اور مونث کو مذکر کرتے ہیں۔"

اس وضاحت سے امید ہے کہ دیباچہ گلزار عشق کی حقیقت ظاہر ہو جائے۔ اب میں اصل مثنوی کی جانب متوجہ ہوتا ہوں۔

قبل ازیں اس کی صراحت ہو چکی ہے کہ مثنوی میں عنوانات قائم کئے گئے ہیں اور اس کے تحت بیان ہوا ہے۔ مگر عنوانات بھی گلشن عشق کی تقلید میں شعر میں لکھے گئے ہیں مثلاً مناجات کا عنوان :-

غنچہ دل کی عرض حیرانی ۔۔۔ در حضور نسیم رحمانی

معراج کا عنوان ہے :-

ذکر معراج صاحب لولاک ۔۔۔ پائیں جس کے سپر کے تئیں افلاک

اس میں کوئی شک نہیں شعرا حمد و ستائش میں حد سے بڑھ جاتے ہیں مگر پھر بھی ان سے ایک حد تک ان کے کلام پر روشنی پڑتی ہے۔ آگاہ اول اپنے عربی نظم و نثر کا فخر اس طرح کرتے ہیں :-

میری نظم دلکش کو وہ فیض ہے ۔۔۔ کہ اس سے ہوا نام طائی کا طے

ابوطیب اس خوف وہیبت ستی کیا توبہ لاف نبوت ستی
میری نثر میں ہوئی صابی صبی نظر آوے وہاں ابن عتبی غبی
گرانشا کا بانی ہے عبد الحمید وے بیں ہو خاتم بوجہ سدید

اپنے دکھنی اور اردو شاعری پر فخر یہ کہتے ہیں :۔

ہے دکھنی میں مجکو مہارت یتی کہ النذر سنکم کہے نصرتی
گر اردو کی بہاکے میں کھولوں زباں توسودا کا سب سودا ہووے زیاں

وہ اپنے علم وفن کا ذکر کرتے ہوئے فلسفہ سے ناواقف ہونے کا صاف طور سے اظہار کرتے ہیں مثلاً :۔

غرض در علوم فروع واصول خدا کی عنایت سے ہوں باحصول
نہیں فلسفہ کا مجھے کچھ بھی پاس وگرنہ وہ کیا چیز ہے میرے پاس

آگاہ اگرچہ مدراس کی ریاست میں صاحب عزت اور مرتبہ تھے مگر معلوم ہوتا ہے عام طور سے لوگ علم کے قدرداں نہیں تھے چنانچہ آگاہ نے اس کا گلہ کرتے ہوئے زمانے کی حالت کو بیان کیا ہے :۔

یہ سب کچھ ہے لیکن کروں کیا علاج نہ اس دور میں ہے ہنر کا رواج

مزید تفاخر کے بعد لکھتے ہیں :۔

ہے اب ہزل اور مسخرے کو قبول ہنر ہے ٹھہرا اور فضلت فضول
تفاخر میں از وال ہیں جابجا ندامت میں استراف ہیں مبتلا
جہاں تک جو نوع مسلمان ہیں سو تکلیف و محنت سے حیران ہیں
سب ہی ہات سے غم کے پامال ہیں اراذل جوان میں ہیں با مال ہیں

پر اہلِ تجابت او پر قہر ہے ۔۔۔ حیات ان کی تلخی سے جوں زہر ہے
کرے کوئی اس وقت کیا فکر شعر ۔۔۔ کہ بدتر ہے دشنام سے ذکر شعر
کرے کوئی کیوں عزم تصنیف کا ۔۔۔ ہو کس طرح سے شوق تالیف کا

اصل قصہ کا لب لباب اس طرح ہے :۔

چین کے بادشاہ کا لڑکا رضوان شاہ علم و ہنر میں سرآمد روزگار تھا۔ باپ کے انتقال پر سلطنت کا مالک بنا ایک دن شکار کو روانہ ہوا۔ اور ہرن کا تعاقب کیا مگر ہرن ایک چشمہ میں غائب ہو گیا۔ رضوان شاہ نے اس ہرن پر فریفتہ ہو کر خود غوطہ لگانا چاہا مگر ارکان سلطنت مانع ہوئے۔ نجومی اور رمال اس کا سراغ لگانے کا وعدہ کرکے بادشاہ کو واپس لائے۔ رضوان شاہ ہرن کے عشق سے از خود رفتہ ہو گیا آخرکار اس چشمہ پر ایک محل تعمیر کرکے رہنے لگا روز محل روشنی سے جگمگا جاتا اور عطر و گلاب کی خوشبو سے معطر ہوا کرتا ایک رات روح افزا پری اس چشمہ سے باہر آئی دونوں کا وصال ہوا مگر جدائی ہو گئی اور ایک زمانے تک فراق میں بسر ہوئی مصیبتوں میں گرفتار رہوئے اور پھر ایک مدت کے بعد دونوں کی شادی ہوئی اور اس طرح بامراد چین کو واپس ہوئے۔

اب مختلف مقامات سے مثنوی کا انتخاب[1] پیش کیا جاتا ہے۔ قصہ کی ابتدا :۔

محبت کے گلزار کا باغباں ۔۔۔ جو تھا اس کے اشجار سے گل فشاں
ہلا اپنے خامہ کے شاخ نول ۔۔۔ جو اپایہ قصہ کا او تار پھل
کہ تھا ملک میں چین کے ایک شاہ ۔۔۔ تھا حکم اس کا ماہی سے لے تا بماہ

[1] انتخاب میں میں نے کوئی خاص بات مدنظر نہیں رکھی ہے بلکہ یوں ہی کچھ نمونہ دیا گیا ہے۔

رضوان شاہ کی تعلیم و تربیت کا حال :-

بلا بھیج ہر علم کے اوستاد — کئے اُس کی تعلیم کو دل نہاد
کئے اس کو جوں چاہی (؟) تربیت — ہوے پوری تا اس کے تئیں معرفت
طبیعی الٰہی میں فاضل ہوا — ریاضی کے ہر فن میں کامل ہوا
ہوا ہیئت و ہندسہ میں خبیر — حساب و مساحت میں بھی بے نظیر
ہوا موسیقی میں وہ یوں اوستاد — کہ زہرہ کرے اس سے اس فن کو یاد

رضوان شاہ کی بے قراری :-

میرا سینہ حسرت سے ناشاد ہے — گنہ لازم و رنج برباد ہے
نہ اب جاں نہ جاناں میری بات میں — مجھے بخت ڈالے ہیں کس گھات میں
کہاں سے گیا کھیلنے میں شکار — کہاں سے وہ ہرنی کئے دہاں کنار
میں کیا کیا سہا ننگ و ناموس کھو — برس ایک لگ تنکل او داس ہو

کشتی میں سوار ہو کر تلاش میں روانہ ہونا۔

بہرحال دونو ہو کشتی سوار — سے چلے تن بہ تقدیر بے اختیار
اوپر ان کے تھا نیلگوں آسماں — تلے ان کے دریائے دور از کراں
ہو دونوں بھی جینے سے اپنے ملول — گئے یک قلم اپنی ہستی کو بھول
کئے قطع اس طرح کئی روز جب — سما یا کھرا ؟ ایک او تپر عجب
نمایاں ہوئی رات کو یک نہنگ — اوڑے کوہ کا جس کے ہیبت سے رنگ
محبت میں کیا کیا مصیبت سہا — عجب ہے کہ اب لگ وہ جیتا رہا
اگرچہ ضمیر اُس کا ہے گا زخاک — و لے آتشی سے ہوا جل کے راکھ

تری شاہزادی کہ ہے شہ پری ‌‌ اوسے داغ سے غم کے بریاں کری
کبھو وحش صحرا کی فوجوں میں پھر ‌‌ کبھو جوش دریا کی موجوں میں پھر
بہر حال پہنچا ہے اب وہ یہاں ‌‌ ہلاکی سے مجکو دیا ہے اماں
تو جو ہو سکے تجھ سے تدبیر کر ‌‌ اعانت میں اُس کی نہ تقصیر کر
دے اول خبر اس کے محبوب کی ‌‌ سپس فکر کر اس کے مطلوب کی

رضوان شاہ کامیاب ہو کر وطن کو واپس ہوتا ہے۔

خبر شہر میں یوں پہنچتی ہے تب ‌‌ بنی لیکے رضوان آیا ہے اب
یہ فرزدہ سنتے جب صغار و کبار ‌‌ چلے اب ہیں سب دوڑ دریا کنار
بصد شان و شوکت کے ان کو لئے ‌‌ تھے چھوٹے بڑے جو محل میں ملے

خاتمہ کتاب میں لکھتے ہیں :-

اگر دیکھیے اس نظم کا طمطراق ‌‌ تب دق سے سودا کے ہو احتراق
مجھے نصرتی ساتھ ہے گفتگو ‌‌ اُسے نغمہ کیا ہے طاقت کہ ہو روبرو
تھے جب یکہزار اور نو کم دو سو ‌‌ بنا اُس کا دیباچہ لے گرم رو
گذر گئے ہیں جب اس پر اکیس سال ‌‌ ہوا بدر کامل یہ زیبا ہلال
کیا اس کے بیتوں کو جب میں عدد ‌‌ ہوے سہ ہزار اور پانسو نود

بھی محبوب سبحاں کے اوپر سدا
محب جس کے ہیں گے تمام اصفیا

اگرچہ ان اشعار سے سنہ تصنیف ۱۲۱۰ھ ہوتا ہے مگر مثنوی کا اختتام اس سنہ میں نہ ہوا ہوگا کیونکہ دیباچہ جو نثر میں لکھا گیا اس میں صراحت سنہ ۱۲۱۱ھ کا ذکر ہے۔

آگاہ پر تبصرہ

آگاہ کی تصنیفات پر آج کل کے نقطۂ نظر سے غور نہ کرنا چاہیئے ڈیڑھ سو سال پیشتر کا ماحول آج کل کے ماحول کے مطابق نہیں ہو سکتا آگاہ نے جس زمانے میں اپنی تصنیفات شروع کیں اس وقت ہندوستان میں طوائف الملوکی پھیل گئی تھی کلایو اور وارن ہیسٹنگز کا دور دورہ تھا مغلیہ خاندان پر زوال آچکا تھا اور اس کا چراغ گل ہو رہا تھا اہل علم دنیا سے گزر رہے تھے اور اُن کی جگہ پُر کرنے والا نظر نہ آتا تھا سلطنت کی زبان فارسی باقی نہ رہی تھی اس لئے اس کے جاننے والوں کا کال ہو رہا تھا۔ اگرچہ عام طور سے اُردو کا رواج ہو رہا تھا مگر اقلیم اُردو میں علم و فن کا ذخیرہ شاذ بلکہ نایاب تھا۔ شمال میں صرف غزل نویسی کا زور تھا جنوب میں مثنویوں کا رواج تھا مگر اس میں بھی علمی مواد بہت کم تھا۔

دانایان فرنگ ہنوز اردو کی سرپرستی کی جانب متوجہ نہیں ہوئے تھے نہ تو کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج کی تصنیفات شائع ہوئی تھیں اور نہ شاہ عبدالقادر نے قرآن کی تفسیر قلمبند کی تھی عام طور سے تعلیم کی کمی تھی خصوصاً عورتوں کی تعلیم کا دروازہ بالکل بند تھا اور یہ ناممکن تھا کہ فارسی میں جو اب مادری زبان نہ رہی تھی تعلیم حاصل کرسکیں۔ اس نقص کے باعث سوسائٹی کو سخت نقصان پہنچ رہا تھا۔ اور حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی تھی اس نقص کو معلوم کرنے والا۔ اس مرض کو دریافت کرنے والا۔ اس کے علاج پر کمر ہمت باندھنے والا۔ اور اپنی تصنیفات سے اس کا علاج کرنے والا آگاہ اور صرف آگاہ ہے۔

آگاہ وہ پہلا شخص ہے جس نے ہندوستان کے مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کی تعلیم کو بھی ضروری تصور کیا اور اُن کے لئے کتابیں لکھیں۔ آگاہ نے اپنی تصنیفات میں

صاف طور سے اس امر کی صراحت کی ہے کہ اُن کا مقصد خاص طور سے صنفِ لطیف
کی بہبودی ہے۔ دیباچہ ہشت بہشت میں لکھتے ہیں :۔

"بعض علماء متاخرین خلاصہ عربی کتابوں کا نکال کر فارسی میں لکھے ہیں تا وہ لوگ
جو عربی پڑ نہیں سکتے ہیں ان سے فائدہ پاویں لیکن اکثر عورتاں اور تمام امیاں
فارسی سے بھی آشنا نہیں اس لئے یہ عاصی مطلب قسم اول کا بہت اختصار کے ساتھ
لے کر دکھنی رسالوں میں بولا ہے۔"

اسی کتاب میں بیان کرتے ہیں :۔

دکھنی میں کہا ہوں اس لئے میں — تا ہووے سہج عوام کے تیں
تا ہر سبرا امیاں ہور عورات — پڑنے ستی اُسکی پاویں لذات

رسالہ عقائد میں لکھتے ہیں :۔

وے یو نظم بولیا بالضرورت — پڑے تا اُسکو ہر امی و عورت

غرضکہ آگاہ کا سب سے پہلا کارنامہ یہ ہے کہ اُس نے اردو زبان میں سیر،
فقہ، عقائد پر متعدد کتابیں تصنیف کیں اور اُن کو خاص طور سے عورتوں کی تعلیم کے لئے
مرتب کیا۔

آگاہ کے زمانہ میں مبالغہ اور دروغ گوئی کلام کا خاص امتیاز تھا اور جو
کتابیں واقعہ کربلا وغیرہ پر لکھی گئی تھیں وہ صداقت سے دور تھیں اس کے برخلاف
آگاہ نے دروغ گوئی اور مبالغہ سے پرہیز کیا اور پھر عام طور سے اس وقت کی عام فہم
اور سلیس زبان میں اپنے مافی الضمیر کو ادا کیا۔

آگاہ نے آنحضرت کی ولادت میں اس امر کا خاص لحاظ رکھا ہے کہ آپ کے بہترین

اخلاق اور پاکیزہ سیرت کو صداقت کے ساتھ پیش کیا جائے اور بعض بعد کے مصنفین کی طرح معرکہ آرائی اور جنگ کو پیش نہیں کیا۔ آگاہ اس امر سے بخوبی واقف تھا کہ آنحضرت کی مبارک زندگی میں اخلاق اور عادات ہی امت کے لئے چراغ ہدایت ہیں اور ان کی پیروی صراط مستقیم پر گامزن کرا سکتی ہے۔

آگاہ آج دنیا میں موجود نہیں ہے اس کی تصنیفات ہندوستان سے معدوم ہو چکی ہیں مگر جب تک زبان اردو قائم ہے اس کے محسنوں کی پہلی صف میں آگاہ کو جگہ دیجائیگی اور اس کے کارنامے گو پوشیدہ ہیں مگر فراموش نہیں ہو سکتے۔

اعظم ان کے نام کی ہیں خبر نہیں صرف ان کے متعلق یہ معلوم ہے کہ وہ ولی ویلوری کے شاگرد تھے، عاشور رمالا نام ایک مثنوی لکھی تھی، کلام کا نمونہ پیش ہے۔

سما پر رکھا ہے ستارے تو جڑ — کہ گویا ہے نیلم میں موتیوں کی لڑ

کہ بر و بحر کوں توں پیدا کیا — یہ ساماں اس کا نہ کچھ کم رکھا

کہ جبرئیل و غلمان و رضوان و حور — تیرے نور سیں ہے ہر ایک کا ظہور

کہ جبرئیل و رضوان و غلمان تمام — وہ سر دھر کے سجدہ میں ہیں صبح و شام

ہر اک رنگ یرنگ کے جا و را توپ — کیا جس کو روشن دے تیرا سروپ

تیرا نام لیتا ہر اک جا تو ر — خدا تو ہے تحقیق معبود سر[۱]

شاہ محمد اس دور کے ایک شاعر شاہ محمد ہیں ۱۱۳۷ھ میں انہوں نے ایک مثنوی قصہ "حضرت موسیٰ" کے نام سے لکھی ہے۔ ۱۳۰۳ھ میں مطبع نو نام مدراس سے

۱؎ رسالہ سفینہ بابت ۱۹۲۹ء جس سے یہی معلوم ہوتا ہے عاشور رمالا کا مخطوطہ افضل العلماء مولوی عبدالحق صاحب پروفیسر محمڈن کالج کے پاس ہے۔

یہ شائع ہوتی ہے ۔ بقول مولف انہوں نے تمام بیان کلام اللہ سے لیا ہے ۔

کلام اللہ سیں لے موتیاں رول ‏ ‏ ‏ ‏ کلیم اللہ کا احوال توں بول
پیمبر کا تمامی ماجرا ہے ‏ ‏ ‏ ‏ نہ اس میں دخل کذب و افترا ہے

یہ مثنوی پندرہ سو شعر سے زیادہ پر مشتمل ہے ۔ حمد و نعت کے بعد اصل قصہ شروع کیا ہے ۔ کسی کی مدح و ستایش نہیں ہے، البتہ آخر پر سبب تصنیف اور تاریخ تصنیف وغیرہ کا ذکر کیا ہے ۔ افسوس ہے کہ شاہ محمد کے متعلق مزید کوئی معلومات نہیں ملیں ۔ کلام کا نمونہ پیش ہے ۔

سگل مہتاب کی شاہی کوں لنکر ‏ ‏ ‏ ‏ کیا خورشید ساری جگ منور
وستے میں آسیہ بانوں نکوکار ‏ ‏ ‏ ‏ ہوے ہیں خواب شیریں کر کو بیدار
اٹھے سو دوڑتے گئے باغ میانے ‏ ‏ ‏ ‏ نتاپی نہر سیں صندوق لانے
بھی لیگئے اپنے خاوندکوں بلاکر ‏ ‏ ‏ ‏ دل اس کا اپنے دل سوں لے ملاکر
سو وہیں بہتا ہوا صندوق آیا ‏ ‏ ‏ ‏ اوس عورت کو نشاں اپنا بتایا
اول خاوند سوں اپنے مانگ لی او ‏ ‏ ‏ ‏ پچھے سرپوس اس کا دور کی او
دسیا فرعون کو جو پاک لڑکا ‏ ‏ ‏ ‏ سو سینہ اس کا لئے ہیبت سوں دھڑکا
کہا اس نے یہی لڑکا ہے اکثر ‏ ‏ ‏ ‏ کہے ہیں جو نجومیاں مجکوں آکر
میرے آئیں کی یہ خواری کریگا ‏ ‏ ‏ ‏ یہہ اپنے دین کو جاری کرے گا
توں بس کر شاہ محمد قصہ غم ‏ ‏ ‏ ‏ کہ کرڑا الیا ہے سب کے دل کوں برہم
جہتے ننیں لگ میں کر کو محنت ‏ ‏ ‏ ‏ دیا قصے کیتیں ترتیب و زینت
سنہ ہجری گیارہ سو کے اوپر ‏ ‏ ‏ ‏ برس سینتیس گئے تھے ہی گزر کر[۱]

---

[۱] اس مثنوی کا مطبوعہ نسخہ راقم کے پاس ہے ۔

تبصرہ | صفحات گزشتہ میں سنہ ۱۱۰۰ھ کی نظم اور نثر کا نمونہ پیش کر دیا گیا ہے، یہ وہ زمانہ ہے جبکہ دکن میں مثنویوں کا دور ختم ہو رہا تھا اور ولی اورنگ آبادی کی تتبع میں غزل کی بنا پڑ چکی تھی۔

دکن کے دوسرے حصوں کی طرح مدراس میں بھی مثنویوں کے لکھنے کا رواج رہا ہے اس دور کے اکثر شعرا نے مثنویاں لکھی ہیں۔ مگر اس کے ساتھ غزل کا میدان بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔

دکن کے دیگر حصوں میں جو مثنویاں لکھی گئیں ان کے قطع نظر صوبہ مدراس کی مثنویوں میں قصے کہانیوں سے زیادہ سیر، عقاید، مناقب، وغیرہ کو مثنویوں کا موضوع قرار دیا گیا ہے

اس زمانہ میں شمالی ہند میں اردو شاعری کی بنیاد قائم ہو چکی تھی، مگر مثنویوں کا کمتر اور غزل کہنے کا زیادہ تر رواج تھا۔ میرؔ، سوداؔ، دردؔ، مظہرؔ، حاتمؔ وغیرہ اس وقت میدان سخن میں داد سخنوری دیر ہے تھے، شمالی ہند کی زبان مدراس کی زبان سے کسی قدر مختلف تھی، اس لئے لا محالہ مدراس کی عام مثنویوں کی زبان بھی شمالی ہند کی مثنویوں سے مختلف ہے، مگر اس کے ساتھ ہی مدراس کی بعض مثنویاں شمالی ہند کی زبان میں لکھی ہوئی نظر آتی ہیں مثلاً گلزار عشق مصنفہ باقر آگاہ وغیرہ۔

غزل نگاری میں ولی اور اس کے ہمعصروں کی شاعری میں تصوف کا رنگ غالب نظر آتا ہے، اس زمانہ میں عام طور سے دکن کی ابتدائی غزلیں تصوف سے سرا پا مملو ہیں یہی رنگ صوبہ مدراس کی غزلوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ سرورؔ، آگاہؔ وغیرہ کی غزلیں تمام و کمال تصوف سے بھری ہوئی ہیں۔

مدراس میں غزلوں اور مثنویوں کے ساتھ قصیدے لکھنے کا بھی رواج تھا۔ مگر زیادہ تر قصیدے، حمد، نعت اور منقبت میں پائے جاتے ہیں، رؤسا، اور امرا کی

مدح میں جس طرح شمالی ہند کے شعرا نے قصیدہ[6] خوانی کی ہے، اس سے مدراس پاک وصاف
نظر آتا ہے، مگر اس کے ساتھ ہی شمالی ہند کے قصیدوں میں تخیل کی جو بلند پروازی ہے
وہ مدراس کے قصیدوں میں مفقود ہے، سودا اور آگاہ کے قصیدوں کے تقابل سے
اس کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اس دور میں مدراس میں نثر نگاری کا زیادہ رواج نہیں ہوا تھا۔ البتہ باقر آگاہ
نے اپنی اکثر مثنویوں کا دیباچہ نثر ہی میں قلمبند کیا ہے، اس سے اس زمانہ کی نثر کا بخوبی
اندازہ کیا جا سکتا ہے، اس زمانہ کی نثر لکھنے والوں نے مسجع اور مقفیٰ عبارتیں نہیں
لکھی ہیں، آگاہ کے اکثر دیباچوں سے اردو زبان کی تاریخ اور اس کے ارتقا پر
بھی روشنی پڑتی ہے۔

بہرحال اس دور میں اردو زبان نے مدراس میں اچھی ترقی کی تھی، اور ہم
یہ کہہ سکتے ہیں کہ شمالی ہند میں جو فروغ اردو کو حاصل ہو رہا تھا اسی طرح مدراس میں بھی
اردو کو ترقی ہو رہی تھی۔

تیسرا باب

از سنہ ۱۲۰۰ھ تا سنہ ۱۳۰۰ھ

اس دور کے ابتدا میں اردو کو صوبۂ مدراس میں بڑا عروج حاصل ہوا۔ نواب غلام محمد غوث خان والاجاہ کے زمانہ میں شعر و سخن کی خوب گرم بازاری تھی۔ فارسی شاعری کے ساتھ ساتھ اردو شاعری بھی ترقی کے زینے طے کرنے لگی، صدہا شاعر میدانِ سخن میں اترے جن کی زمزمہ سنجی سے بزم مشاعرہ ہر وقت گرم رہتی تھی۔

نظم کے ساتھ نثر کو بھی فروغ ہوا، فقہ، عقائد، تفسیر، سیر، اور حدیث وغیرہ میں بیسیوں کتابیں لکھی گئیں۔ ان میں سے بعض تو آج تک مروج ہیں۔

اسی زمانہ میں اخبارات کا بھی رواج ہوا، کئی اخبار شائع ہوئے، کئی مطابع قائم ہوئے، غرضکہ اردو زبان کی ترقی کے سب سامان مہیا ہو گئے۔

نظم

سب سے پہلے ہم اس دور کی نظم کی صراحت کرتے ہیں، شعراء کا تعارف اور ان کے کلام کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

روساء اور ارکاٹ کی شاعری | شعراء کی تفصیل میں اولاً روساء ارکاٹ کا

ذکر ضروری ہے ، والاجاہ محمد علی خان کے کئی فرزند فارسی کے اچھے شاعر تھے ، مثلاً
شہامت جنگ محفوظ تخلص ، حسام جنگ مختار ، تاج الامرا ، ماجد وغیرہ بعض افراد
فارسی کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی طبع آزمائی کرتے تھے مثلاً ممتاز ، اعظم وغیرہ ۔
ذیل میں ان کی اردو شاعری کو متعارف کرایا جاتا ہے ۔

ممتاز | غلام حسین نام معین الملک اسدالدولہ حسین علی خان بہادر ذوالفقار جنگ
عمدۃ الامرا خطاب اور ممتاز تخلص ، محمد علی خان والاجاہ کے دوسرے
فرزند تھے ، سنہ ۱۱۶۱ھ میں تولد ہوئے [۱]

باقر آگاہ ، اور ملک الشعرا ابجدی وغیرہ ان کے استاد اور اتالیق تھے ، باپ کے
انتقال پر سنہ ۱۲۱۰ھ میں مسند نشین ارکاٹ ہوئے ، مگر زندگی نے وفا نہ کی صرف چھ سال
کی حکمرانی کے بعد سنہ ۱۲۱۶ھ میں انتقال ہو گیا ۔

ان کے دربار میں کئی نامی گرامی شعرا باریاب تھے ، نامی ملک الشعرا تھے ۔
جن کا تذکرہ آگے آتا ہے ۔

عمدۃ الامرا اچھے شاعر تھے ، ممتاز تخلص تھا ۔

ہمارے پاس ایک قلمی دیوان ہے جس کی کتابت رجب سنہ ۱۲۶۷ھ میں ہوئی ہے
یہ ایک مختصر دیوان ہے جس میں تقریباً (۹۰۰) شعر ہیں اور اصناف سخن سے صرف
غزلیں ہیں البتہ آخر پر ایک مخمس بھی ہے ۔ ممتاز کا مختصر حال اور نمونہ کلام مولف "سخنوران
بلند فکر" نے بھی اپنی کتاب میں شامل کیا ہے کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے ۔

ہے یار کے لئے ہمیں اغیار سے غرض ۔۔۔ ہوتی ہے جیسے گل کے سبب خار سے غرض

---

[۱] سخنوران بلند فکر صفحہ ۲۱۲

تم کفر و دیں سے شیخ و برہمن اوٹھاؤ ہاتھ | یہ حسن و قبح سبحہ و زنار کب تلک

خواب راحت سے تجھے رات جگایا ہم نے | کیا کہیں فتنۂ خوابیدہ اوٹھایا ہم نے
اپنے ہاتھوں سے تجھے پان کھلایا ہم نے | ان رنگیلوں میں تجھے لال بنایا ہم نے
ایک بوسے کے بھی قابو میں نہ آیا تھا کبھو | بوسے دے دے کے اوس رات جگایا ہم نے
تیرے ہی واسطے اے رونق آبادیٔ دل | آکے ویرانۂ دنیا کو بسایا ہم نے
ہاتھ پاؤں پر رکھا شیخ کے پر کچھ نہ ملا | اس قدم بوسی ہی سے ہاتھ اوٹھایا ہم نے

یہ دل تو جان تجھے آشنا سمجھتا ہے | خدا ہی جانے تو بیگانہ کیا سمجھتا ہے
میں اس کے آگے تو کچھ بات کر نہیں سکتا | یہی ہے ڈر کہ میں کیا بولوں کیا سمجھتا ہے
بھلے برے سے میں واقف نہیں میرے خوباں | وہی بھلا ہے جو کچھ تو بھلا سمجھتا ہے
اوٹھاؤں کس لئے ممتاز دست بہر دعا | ہمارے دل کا وہ سب مدعا سمجھتا ہے

ہزار شکر کہ اوس گلعذار کو دیکھا | میں اپنے گھر میں بھی بیٹھے بہار کو دیکھا
تو آتش دل عشاق سے ہے کیوں غافل | کہ ہم نے سنگ میں ظالم شرار کو دیکھا
تڑپ تڑپ کے بولاتا ہے تجھ کو اپنے پاس | ہمارے دل کے تو کیوں اضطرار کو دیکھا[1]

ممتاز کا کلام آج سے ڈیڑھ سو سال پرانا ہے مگر زبان کی صفائی، رنگینی اور تخیل کی پرواز قابل تعریف ہے، یہ نہیں معلوم ہوتا کہ پرانا کلام ہے، ممتاز کی قادرالکلامی کا اس سے پورا اندازہ ہوتا ہے۔

اعظم نواب[2] غلام غوث خان، اعظم جاہ محمد منور خان کے فرزند تھے، ذی حجہ ۱۲۳۹ھ میں ان کی پیدائش ہوئی ۱۲۷۲ھ میں انتقال ہوا۔ صرف پندرہ مہینے کے

[1] دیوانِ قلمی مملوکہ راقم
[2] صبح وطن، گلزار اعظم، تاریخ ارکاٹ، مولفہ مولوی صفی الدین مرحوم

یتیم ہو گئے، باپ کے چہلم کے دوسرے دن مسند حکومت پر بٹھائے گئے، اور آپ کی کمسنی کے باعث آپ کے چچا عظیم جاہ کاروبار انجام دیتے رہے۔ غلام غوث خان کی تعلیم کے لئے اس وقت کے جید علما، مقرر ہوئے مثلاً حافظ محمد مکی، حافظ عبدالولی تعلیم قرآن کے لئے فارسی کی تعلیم کے لئے مولوی غلام محی الدین، مولوی جلال الدین حسن خان اور سید ابو طیب خان مقرر تھے، عربی کے لئے مولوی جمال الدین احمد، قاضی الملک مولوی محمد صبغۃ اللہ، مولوی ارتضا علی خان مامور ہوئے، عنایت حسین خان خوش نویس تھے۔

یہ علما، اس وقت کے سرآمد روزگار تھے، جس کے باعث نواب غلام غوث خان کی عربی اور فارسی قابلیت بہت اچھی ہو گئی۔

شاعری میں والہ[1] سے تلمذ تھا، اعظم اپنا تخلص قرار دیا تھا۔

اس زمانہ میں روسا ارکاٹ سے حکومت کرناٹک متعلق نہیں تھی، بلکہ وہ کمپنی کے وظیفہ خوار تھے، سالانہ بارہ لاکھ اور ⅕ حصہ محاصل پر اکتفا کیا گیا تھا، اس طرح اعظم سلطنت کے کاروبار سے آزاد تھے، بچپن سے کوئی سرپرست نہیں تھا، اس لئے سن شعور میں مختلف اقسام کے شوق ہوتے گئے، کبھی تو رنگ ریزی کا شوق ہوا، اس کی سرپرستی کی گئی، کبھی پکوان سے دلچسپی ہوئی، صدہا اقسام کے کھانے ایجاد ہوئے، کبھی شعر گوئی سے دلچسپی رہی، زبردست مشاعرے ہوتے رہے، کلام پر اعتراضات کئے جاتے اور مناظرہ ہوتا، غرض اعظم کے زمانہ میں فارسی شاعری کا خوب چرچا رہا، رسالہ اردو میں مولانا محوی نے اس کے متعلق پوری تفصیل بیان کر دی ہے۔ اعظم کا سب سے بڑا کارنامہ جو آج تک باقی ہے مدرسہ اعظم ہے۔ جس نے اب محمڈن کالج کی صورت

---

[1] یہ والہ سید محمد موسوی نہیں بلکہ ابو طیب خان والا ہیں جو آگاہ کے شاگرد تھے۔

اختیار کرلی ہے اس وقت مدارس کی عام زبان اردو تھی، فارسی صرف علماء کی تحریری زبان تھی، مگر اب وہ بھی اس عام زبان اردو میں اپنی تصانیف مرتب کرنے لگے تھے شمالی ہند اور حیدر آباد میں ہندوستانی شاعری کا زور تھا، ناسخ اور آتش لکھنؤ میں مومن، ذوق اور غالب دہلی میں آسمان شاعری پر چمک رہے تھے اور خود مدراس میں آگاہ کے شاگرد اپنے استاد کی پیروی میں اردو میں شعر گوئی کرتے تھے، ان وجوہ سے ناممکن تھا کہ اعظم اس زبان میں شعر نہ کہتے، چنانچہ ایک مختصر دیوان ہندوستانی زبان کا بھی مرتب کر دیا۔

بہترین غزل کے لئے جن لوازم کی ضرورت ہے تخیل کی بلندی، خیالات کی نازکی، مضمون کی رنگینی، زبان کی صفائی، یہ سب اعظم کے کلام میں بدرجۂ اتم موجود ہیں جس کی توثیق اُن کے کلام سے بخوبی ہو سکتی ہے۔ بطور نمونہ کچھ کلام پیش کیا جاتا ہے۔

عشق میں یار کے دل اپنا لگا کر دیکھا — خوب اس شمع کو میں نے بھی جلا کر دیکھا
سلسلہ برق کو پہنچے ہے دل سوز اں سے — دفتر داغ کو میں نے جو اٹھا کر دیکھا
دشت میں وادئ فرقت کے مریضوں کو ترے — سانس ٹھنڈی سی بھری برق جو آکر دیکھا
ایک قطرہ کو مرے اشک کے پہنچا نہ کبھی — تو نے اے ابر کئی سیل بہا کر دیکھا

فائدہ کچھ بھی ہوا تجکو بھلا اے اعظم
دل جو تو اس بت ناداں سے لگا کر دیکھا

ناتوانی سے یہ عالم ہے ترے رنجور کا — ہر قدم بانگ جرس ہے کاروان مور کا
تاک لے یکبار گر اس چشم میگوں کو تو پھر — کیا عجب ہے پانی پانی ہو جو دل انگور کا
کیا ادا احسان زبان اس تیر مژگاں کا کرے — مارے دم ہے دل نے جس کے عہد میں منصور کا

ہر چند نعرہ کرتے ہیں اس کو خبر نہیں — لو اب تمہاری آہ میں کچھ بھی اثر نہیں

جب سے نظر نہ آئی ہے وہ چشم نرگسیں — ہیں گرچہ آنکھ مجھ کو پہ نورِ بصر نہیں

بحر الفت میں بہت کچھ آپ مارے ہاتھ پاؤں — شیخ جی آوے ہے کب اس کا تمہارے ہاتھ پاؤں

افسوس رحم کچھ بھی نہ آیا تمھیں صنم — رو رو کے طفل اشک کہا وائے وائے دل

لیوے اگر وہ ہاتھ میں ساغر شراب کا — ہو جائے پانی شرم سے دل آفتاب کا

کہیں جو رزم میں اس کے سنان نکل آئی — زبان حرگ سے بھی الاماں نکل آئی

عشوہ و غمزہ کرشمہ ناز اور انداز سے — الغرض دل لے گیا ظالم نے سو سو ناز سے[1]

اس نمونہ کلام سے اعظم کے زورِ بیان اور صفائی کلام کا پورہ اندازہ کیا جا سکتا ہے آج سے ستر سال پہلے کا کلام اپنی روانی اور صفائی کے لحاظ سے آج کل کے کلام کے مماثل قرار دیا جا سکتا ہے۔

دیگر شعرا روسا و ارکاٹ کے ذکر کے بعد ہم اس عہد کے بعض دیگر شعرا کا تعارف کراتے ہیں، اس امر کا ذکر ہو چکا ہے کہ نواب غلام محمد غوث خان المتخلص بہ اعظم کو شاعری کا بڑا شوق تھا، ان کے یہاں ہمیشہ مشاعرہ کی گرم بازاری رہا کرتی تھی۔ اعظم نے فارسی گو شعرا کے دو تذکرے بھی مرتب کئے ہیں، جو صبح وطن اعظم اور گلزار اعظم سے موسوم ہیں۔

ان تذکروں سے اس امر کی بھی صراحت ہوتی ہے کہ بعض شعرا فارسی کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی طبع آزمائی کرتے تھے، مگر کئی اردو گو شعرا ایسے بھی ہیں جن کا ذکر اعظم نے نہیں کیا ہے:—

---

[1] بہارستان اعظم مطبوعہ مدراس

(۱) **فرخ**[1] فرخ بخش نام فرخ تخلص، ارکاٹ وطن، امرا اور روسا کی مدح میں قصیدے لکھا کرتے، آزادانہ زندگی بسر ہوتی، افسوس ہے قصیدے نایاب ہیں، ۱۲۰۵ھ میں انتقال ہوا۔

ہمارے قتل کی تدبیر بے تقصیر ہوتی ہے — نگاہ پاک کی شاید یہی تاثیر ہوتی ہے

(۲) **سرشار** سرشار کے نام سے ہم واقف ہیں، اور نہ ان کی پیدائش اور وفات کے سنین کا علم ہے، البتہ ان کی مثنوی سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ وہ عمدۃ الامرا (۱۲۱۰ھ تا ۱۲۱۶ھ) کے درباری شاعر تھے۔

ان کی تصنیف "چار گلشن" ہے، چار گلشن منظوم چار درویش ہے جو ۱۲۱۶ھ میں تصنیف ہوئی ہے اس مثنوی کا ایک مخطوطہ برٹش میوزیم میں[2] محفوظ ہے۔ نمونہ کلام حسب ذیل ہے:- "چار گلشن خطاب" سے تاریخ تصنیف نکالی گئی ہے۔

غزل:

ارے یہ فلک کیا دل آزار ہے	جفاکار ہے سخت مکار ہے
اگر ہو ویں معشوق و عاشق بہم	تو آنکھوں میں اس کی گویا خار ہے
مبدل کرے وصل کو ہجر سے	یہ عادت ہے اس کی یہ اطوار ہے
فلک کا کہاں تک میں شکوہ کروں	ارے یار تیرا خدا یار ہے
مجھے تو کہیں اپنے دل سے نہ بھول	اگر عاشقی میں وفادار ہے
ملاقات میری ہے خواب و خیال	سعی اس میں کرنا یک آزار ہے

---

[1] محبوب الزمن صفحہ ۸۹۸۔

[2] یورپ میں دکھنی مخطوطات صفحہ ۴۶۹

مثنوی

سخن کا جو ہے انجمن دلکشا ۔۔۔ ہے اوس بزم کا شمع حمد خدا
ہے ایسا شہنشاہ وہ بے نظیر ۔۔۔ جو شاہاں کو بخشا ہے تاج و سریر
بڑے ہیں فلک گرچہ با آب و تاب ۔۔۔ ترے بحر قدرت کے ہیں نہ حباب
جسے در معنی کا اب کج ہے ۔۔۔ خریدار اوس کی گھر سنج ہے
سناتا ہی سرشار اب داستان ۔۔۔ سنو کان دھر کرا ید ھر مہربان
تھا ایک پادشاہ کار فرمائے روم ۔۔۔ سخاوت کی جس کے جہاں میں تھی دھوم
کرم خلق پر اس کا تھا بے شمار ۔۔۔ زمانیکا پرور تھا جیب و کنار
ہیں آفت سی دریا کی ای بادشاہ ۔۔۔ بچا جب چلا لیکہ بستی کی راہ
کیا سمت بازار کی جب خرام ۔۔۔ نہ تھا وہاں بھی قسمت میں آب و طعام
گرفتار ہو چور بھایا سپاہ ۔۔۔ سیاست سی پہردار کی بچ رہا
لیجا چاہ میں جب دے مجکو ڈال ۔۔۔ خدا سی کیا عرض میں اپنا حال
اٹھا چوب لی اس کو دیکھا میں جا ۔۔۔ وہ بیٹھی تھی روتی ہوئی سر جھکا
لگایا میں یک چوب نزدیک جا ۔۔۔ تلی ماتس بھران نی ہو گیی فنا
وہ توشہ کا صندوق اٹھا لیکہ میں ۔۔۔ وہ ہر روز کھانی لگا اس کیتیں
خداوند رازق بندہ نواز ۔۔۔ کری پرورش سب کو ہو کارساز
جدائی کا شعلہ بھرکنی لگا ۔۔۔ گویا مرغ بسمل تڑپنی لگا
کیا جیب و دامن کو میں چاک چاک ۔۔۔ اوڑانی لگا سر پو میں اپنی خاک
کیا آہ پر آہ میں وائے وائے ۔۔۔ بہا اشک گلرنگ کہا وائے وائے

مجھے دیک دائی نے سرپیٹ تی ۔۔۔ کھڑی آکے چھاتی کتیں کوٹتی

۴۔ نامی[1]

غلام اعزالدین خان بہادر مستقیم جنگ المتخلص بہ نامی ۔

نامی حامد علی خان کے فرزند تھے سنہ ۱۱۸۱ھ میں ارکاٹ میں تولد ہوئے ۔ مولانا حافظ محمد حسین سے عربی اور فارسی کی تعلیم پائی اور پھر علامۂ روزگار مولانا باقر آگاہ سے شرف تلمیذ حاصل کیا ۔ آگاہ کی تربیت سے شاعری کا ملکہ پیدا ہوا اور آگے چل کر نامی نے زمانہ میں نام پیدا کر کے اپنے اُستاد کے نام کو روشن کیا ۔

عمدۃ الامراء (سنہ ۱۲۱۰ھ تا سنہ ۱۲۱۶ھ) نے نامی کو ملک الشعراء کے خطاب کے ساتھ اپنے دربار کا شاعر بنایا تھا ۔ یہ عربی فارسی اور اُردو میں طبع آزمائی کرتے اور کبھی نامی اور کبھی مستقیم تخلص کرتے تھے ۔ متعدد مثنویاں مثلاً لیلیٰ مجنوں ، شیریں خسرو ، وفات نبی ، قصہ نبارس ، سلیمان نامہ وغیرہ اپنی یادگار چھوڑیں سنہ ۱۲۴۰ھ میں ان کا انتقال ہوا ۔ مدراس میں ساحل سمندر کے قریب اپنے باغ میں مدفون ہوئے ۔

نامی کا زمانہ وہ ہے جب کہ دہلی میں میر و سودا اور خواجہ میر درد کا زمانہ گذر چکا تھا ۔ میر اثر مسند شاعری پر متمکن تھے ، اور لکھنؤ میں جرأت ، انشا ، اور مصحفی کا بول بالا تھا ۔ شاعری اپنے ابتدائی مدارج سادگی اور اصلیت سے گذر کر تصنع اور مبالغہ کی سرحدیں پہونچ چکی تھی ۔ آسان اور ہموار زمینوں کے بجائے عمداً سنگلاخ زمین اختیار کی جاتی تھی ، متانت اور ثقاہت میں بھی فرق آگیا تھا ، اور اب وہ فقراء اور صوفیہ کی خانقاہوں سے نکل کر عام طور سے بادشاہوں اور امیروں کے دربار میں آگئی تھی ۔

---

[1] گلزار اعظم صفحہ ۳۵۲ ۔ صبح وطن

یہ امر ہنوز تحقیق طلب ہے کہ ناجیؔ کے کون کون تصنیفات زیور طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں ان کی مثنوی سلیمان نامہ ایک طویل مثنوی ہے جو غالباً ہنوز طبع نہیں ہوئی۔ اس کا ایک مخطوطہ ہمارے بزرگ مولوی خلیل اللہ صاحب کے کتب خانہ میں ہے اس کے اشعار کی تعداد تقریباً ۲۸۰۰ ہے اس کی تصنیف ۱۲۲۶ھ میں ہوئی ہے۔

حضرت سلیمان کا قصہ مشہور ہے جو اکثر تفسیروں میں بیان ہوا ہے۔ مگر اس کو دراصل قصہ ہی کہنا چاہیئے جس میں صدق و کذب شریک ہے۔ قصہ کا خلاصہ یا لبِّ لباب اس طرح ہے۔ جب داؤد علیہ السلام کے انتقال کا وقت آیا تو خداوند کریم نے جبرئیل کو یہ حکم دیکر روانہ کیا کہ ان کے اٹھارہ لڑکوں سے مختلف سوالات کرے، جو لڑکا جواب صحیح دے اُس کو سلطنت عطا کی جائے۔ جبرئیل آئے اور اُن کے لڑکوں سے سوالات کئے۔ مثلاً دریافت کیا کہ انسان کی جان سے دور اور نزدیک کون سی شئے ہے۔ اور کس چیز سے انسان کو بہت زیادہ الفت ہے اور کس سے زیادہ نفرت۔ سلیمان ان کے جوابات دیتے ہیں، اس کے بعد اُن کو سلطنت دی جاتی ہے، خداوند کریم ایک انگشتری عطا کرتا ہے جس کے باعث جن و پری اور دیو اُن کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں۔ بیت المقدس کی مسجد تعمیر ہوتی ہے۔ حضرت سلیمان تمام انسانوں اور حیوانوں کی دعوت کرتے ہیں مگر دریا سے ایک مچھلی نکل کر کل طعام کا ایک لقمہ کر جاتی ہے۔ اس کے بعد سلیمان کی بادشاہ نویرہ سے جنگ ہوتی ہے اور اُس کی لڑکی سے حضرت سلیمان نکاح کرتے ہیں۔ آپ کی انگشتری چوری جاتی ہے اور پھر حکومت بھی چلی جاتی ہے اور پھر ایک عورت کو نکاح کرنے سے وہ انگشتری واپس ملتی ہے۔ اس کے بعد دو زاہدوں سے حضرت سلیمان کی ملاقات ہوتی اور پیغمبری ملتی ہے۔ پھر مختلف بادشاہوں

حضرت سلیمان جنگ کرتے ہیں جن اور دیوؤں سے مقابلہ ہوتا ہے۔ سیر کے لئے کوہ قاف کی طرف جاتے ہیں۔ آپ کا ایک رفیق وہاں کی ایک پری پر عاشق ہوکر اُس سے شادی کرتا ہے۔ اس کے بطن سے بلقیس تولّد ہوتی ہے۔ ایک بادشاہ ان سے شادی کا پیغام بھیجتا ہے۔ مگر وہ راضی نہ ہوکر جنگ کرتی ہے اور وہ قتل ہو جاتا ہے۔ بلقیس اپنی خوبصورتی کے سوا عدل وانصاف شجاعت اور سخاوت میں مشہور رہے ہے حضرت سلیمان کے پاس ہُد ہُد شہر صبا سے بلقیس کی خبر لاتا ہے۔ اسی کے ذریعہ یہاں سے پیغام جاتا ہے، اس کے بعد ایک عالی شان محل تعمیر ہوتا اور حضرت سلیمان کی بلقیس سے شادی ہوتی ہے۔ ایک مدّت تک دونوں کی بسر ہوتی ہے، اس کے بعد بلقیس کا انتقال ہوتا اور پھر حضرت سلیمان کا بھی انتقال ہو جاتا ہے۔ اسی پر قصّہ تمام ہوتا ہے۔

اب مختلف مقامات سے نمونہ کلام پیش کیا جاتا ہے

قصّہ کی ابتداء:۔

تفاسیر[1] میں اس طرح سے ہے لکھا	کہ داؤد کو جب بُلایا خدا
دیا قابض رُوح پیغام موت	پلانے کو لائے اُسے جام موت
تھے اُس وقت حاضر اٹھارہ پسر	سلیمان ان سب میں تھا خورد تر
کیا حق نے فرمان جبرئیل کو	کہ جا پاس داؤد کے جلد تو
کئے ہیں سوالات اُس کے جواب	تو اولاد سے اُس کے پوچھ آنجناب
جو اُن میں سے دیوے جواب سوال	اُسی پر سے ہے بعد اس کے دولت بحال

تو بر شاہ سے جنگ کے لئے حضرت سلیمان جاتے اور جنگ کر کے کامیاب ہوتے اور

[1] اشعار کا نقل کئے گئے ہیں کیونکہ کوئی اور نسخہ پیش نظر نہیں ہے۔

اُس کی دختر کو بیاہ کر لاتے ہیں:-

عرب کے جزیرے میں ہے ایک شاہ — کہ صاحب خزانہ ہے صاحب سپاہ
بہت فوج رکھتا ہے اور مال بھی — بڑا ملک ہے خوب اقبال بھی
کسی کو بھی خاطر میں لاتا نہیں — تکبّر کے مارے سماتا نہیں
نہ کافر ہوا نرم اُس شاہ سے — نہ واقف ہوا دین کے راہ سے
کیا فوج تیار وہ نابکار — لڑائی کا کرنے لگا شور و شار
حماقت کیا سخت بے جا کیا — مثل ہے جو کرجے گا ویسے گا کیا
کہا شاہ ملک اُس کا لوٹو تمام — کرو شہر میں دمبدم قتل عام
لگی ہونے اُس ملک میں مار مار — ہوئی قتل فوج اُس کی سب ایکبار
غرورِ زر و سیم سارا گیا — خزانہ گیا شاہ مارا گیا

حضرت سلیمان کا ایک رفیق سیر کے لئے جاتا ہے اور پری پر عاشق ہو جاتا ہے۔ اس میں جنگل اور چاندنی کی کیفیت ملاحظہ ہو:-

اسی میں ہوئی ہے وہ جنگل میں شام — نکل آیا گردوں پر ماہِ تمام
جو مہتاب سے بن میں پھولا کپاس — ہوا شب کا بکھرا روپہلی لباس
عجب چاندنی کی تھی کچھ آن بان — بگولا دکھاتا تھا جوں چرخ بان
چمکتا تھا ہر برگ مثلِ شرار — مگر بن میں داغے تھے ہر جا انار
ہو گلریز جب رات آئی نکل — ستاروں کے چھوٹے ہیں تارے منڈل
درختان شب مہ کے پرتو سے وال — ہوئے جوں چراغوں کے کنگر عیاں
ہوائی ہوا کی لگی چھوٹنے — پٹاخے گلوں کے لگے پھوٹنے

بجا ہے گر اس کو کہیں شب برات — کہ الفت کی لائی تھی وہ شب برات

زمیں ماہ و انجم فروزاں ہوئے — چکورے خوشی سے غزل خواں ہوئے

زمیں ہوگئی اس طرح زرنگار — کہ شام غریباں تھی صبح بہار

فلک پر تھی زہرا جو رشک پری — ہوئی دل سے مہتاب کی مشتری

بھرا دشت و کہسار سب طور سے — گل و بوٹہ دمکنے لگے جور سے

نظر کر تماشہ شب ماہ کا — وزیر اس جگہ رات کو رہ گیا

اُس پری کی خوبصورتی کی تعریف :-

کرشمہ تھا غمزہ تھا اور ناز بھی — ادا بھی تھا اور آن و انداز بھی

غرور اور شوخی ہنسی اور حیا — بہت خوشنما تھا نہایت بجا

سراپا تھے اعضا نہایت درست — تھے چھب تختی یکدست چالاک و چست

چمک اُس کے مکھڑے پہ مہتاب سی — جبیں صاف و شفاف سیماب سی

نظر کر رُخ اس صبح اُمید کا — اُجالے ہیں منھ آیا خورشید کا

عجب کیا گر اُس رُخ کا دیکھے آب و تاب — گُل نیلوفر ہو گُل آفتاب

چھٹے رخ پہ دو کاکل عنبریں — وہی تھے مگر شام تاتار چیں

تھے زلف اور قد حق کے قدرت کا کھیل — چڑھے ہے سرو کے جھاڑ پر ناز بیل

کہ اُس کو جو زلف سے ساتھ جائے — تو پھر مارے ہیبت کے من کانپ جائے

سیہ بال دیکھا اور گورا سا رنگ — شب و روز کہتے تھے عالم ہو دنگ

عجب قدرت احسن الخالقین — کہ واللیل والشمس سے ہے قریں

قلم کے زباں ہیں تو وہ لیٹے ہیں پایاں [illegible] — [illegible] ایسا لگے جیتا سحر مو محال

۷۴

اسی طرح ایک ایک صفت کے لئے کئی کئی شعر وقف کئے ہیں اور پورا سراپا لکھا ہے
نامی کے کلام کے متعلق چند باتیں قابل ذکر ہیں۔ دکھنی مثنویوں کا عام دستور
رہا ہے کہ وہ حمد و نعت اور منقبت وغیرہ کے بعد اپنے بادشاہ کی ضرور مدح
کرتے ہیں مگر اس مثنوی میں رئیس وقت کی تعریف نہیں ہے۔ حالانکہ نامی کو دربار
ارکاٹ سے خاص تعلق تھا اور وہ ملک الشعراء کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس خصوص میں
نامی نے اپنے استاد آگاہ کی پیروی کی ہے کیونکہ ان کی مثنویوں میں بھی باوجود
دربار کے تعلق کے بادشاہ کی مدح نہیں ہے حتیٰ کہ انہوں نے کوئی قصیدہ بھی بادشاہ
کی تعریف میں نہیں لکھا ہے۔

نامی کے زمانہ میں اردو شاعری کی جو حالت تھی اس کا تذکرہ قبل ازیں
کیا گیا ہے مگر نامی کی شاعری بالکل علیحدہ نظر آتی ہے۔ اس میں سادگی، صفائی اور
اصلیت پائی جاتی ہے۔ دہلی و لکھنؤ کی طرح ارکاٹ میں بھی شاعری فقرا اور صوفیا سے
نکل کر امراء اور رؤساء میں پہنچ چکی تھی مگر اس کے باوجود اس میں اس کی قدیم
خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ اس کے اکثر اشعار نظم نہیں بلکہ نثر معلوم ہوتے ہیں۔
کلام کی متانت اور ثقاہت میں فرق نہیں آیا۔

اس زمانہ میں شمالی ہند میں اردو نظم کو عام طور سے ریختہ کہا کرتے تھے
اور دکھنی زبان اور شمالی ہند کی زبان میں فرق کیا جاتا تھا۔ چنانچہ نامی نے مثنوی
کے خاتمہ پر ان امور کو بھی نظم کیا ہے۔

ہے اس مثنوی کی زباں ریختہ	عرب اور عجم سے ہے آمیختہ
نہیں صرف اردو مگر ہے عیاں	زبان سلیمان ہندوستان

اگر بولتا ٹھیٹھ ہندی کلام — تو ہیا نکا تھا وہ پریوں کا تمام
زبان دکن میں نہیں میں کہا — کہ ہے وہ زباں بھی نپٹ بے مزا
جو دیکھا کہ اوسط ہے خیر الامور — کیا اختیار اس کو میں بالضرور

محمود سید محمود بلگرامی کے متعلق کسی تذکرے سے کوئی معلومات حاصل نہیں ہوئے، اس کی مثنوی "بہشت گلزار" سے جن حالات کا پتہ چلتا ہے یہ ہیں۔ سید محمود بلگرامی کے آبا و اجداد بلگرام کے مشائخ عظام میں سے تھے۔ پیری مریدی کا سلسلہ جاری تھا۔ ہندوستان کے مختلف ممالک سے ہوتے ہوئے ارکاٹ آئے اور چینا پٹن (مدراس) میں قیام کیا۔ روسا ارکاٹ کے یہاں ملازم ہوئے۔ صبح سے ایک پہر تک فرصت کا وقت رہا کرتا اس کے بعد ملازمت کے باعث فرصت نہ ہوتی تھی۔ دائم المریض تھے، کھانسی بخار و اسیر کی شکایت ہمیشہ رہا کرتی۔ اس کے باوجود صرف تین ماہ کے عرصہ میں اس مثنوی کو منظوم کر دیا۔ پہلے انہوں نے اسی کو خسرو کی نظم سے نثر فارسی میں منتقل کیا تھا۔ مثنوی بہشت گلزار ۱۲۲۵ھ میں مرتب ہوئی ہے۔[1]

سید محمود، میر یحییٰ اماں عرف قلندر بخش المتخلص جرأت کے شاگرد تھے۔ مثنوی میں اپنے استاد کی بڑی تعریف کی ہے انوری سعدی سے ان کو ممتاز قرار دیا ہے۔

. بہرام گور ایران کا مشہور بادشاہ ہے جس کو اس کے باپ یزدگرد نے تعلیم کی خاطر ایک عرب سردار نعمان کے سپرد کیا تھا اور نعمان نے اس کو اپنے شہر میں لا کر اس کے لیے ایک عالی شان محل تعمیر کیا جس میں عجیب عجیب صفتیں تھیں، ایک وصف یہ تھا صبح کے وقت اس محل کا رنگ نیلگوں رہا کرتا، دوپہر کو سفید ہو جاتا اور غروب آفتاب کے وقت زرد ہو جاتا۔

---

[1] یہ مثنوی شائع نہیں ہوئی ہے اس کا ایک مخطوطہ ہمارے بزرگ مولوی محمد فضل اللہ کے کتب خانہ میں ہے۔

یزدگرد کے مرنے پر چونکہ بہرام ایران میں موجود نہیں تھا اس لئے ایک اور شہزادے کو تخت نشین کر دیا گیا مگر بہرام اس سے واقف ہو کر لڑنے کے لئے ایران آیا۔ ارکان دولت نے خونریزی مناسب خیال نہ کی اور تصفیہ کیا کہ تاج شاہی دو شیروں کے بیچ رکھ دیا جائے اور جو شخص شیروں کو ہلاک کر کے تاج حاصل کرلے وہی بادشاہ ہو۔ بہرام نے شیروں کو مار کر تاج حاصل کیا اور تخت ایران پر قبضہ کر لیا۔ اس کو گورخر کے شکار کا بڑا شوق تھا۔ اس لئے بہرام گور کے لقب سے مشہور ہو گیا۔ کہتے ہیں اس کی موت بھی عجیب طرح ہوئی ایک دن شکار کے پیچھے گھوڑا ڈالا شکار تو نہیں ملا مگر بہرام گھوڑے سمیت ایک کنوے میں گر پڑا اور پھر اس کا پتہ نہ لگا۔

خسرو کی ہشت بہشت میں بہرام کے ابتدائی حالات نہیں ہیں بلکہ بیس سال کی عمر سے جب کہ وہ بادشاہ ہوتا ہے، حالات شروع ہوتے ہیں اور اس کی مختلف بیویوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور درمیان میں مختلف قصے بیان کئے گئے ہیں۔

جرات اور ان کے ہمعصر شعراء کے زمانہ میں پرانی ترکیب ہندی الفاظ خارج ہو کر ان کی جگہ فارسی اور عربی کے الفاظ داخل ہونے شروع ہوئے تھے۔ محمود کی شاعری میں بھی یہ اثر پایا جاتا ہے۔

محمود جرات کے شاگرد تھے مگر ان کے کلام میں استاد کا مذاق یعنی عاشقانہ رنگ اور معاملہ بندی جو فحش کی حد تک پہنچ جاتی ہے پایا نہیں جاتا۔ جرات کی شاعری میں معشوق بازاری کے ناز و کرشمے، عشاق کی حرماں نصیبی، ہجر کی مصیبتیں، وفا کے جھگڑے وغیرہ جزو لاینفک ہیں، مگر محمود کی شاعری میں ان کی وہ گرم بازاری نظر نہیں آتی جرات کی تصنیفات میں کوئی طویل مثنوی نہیں ہے، صرف دو چھوٹی مثنویاں ہیں جن میں سے

ایک ۶۲ صفحات کی ہے جو برسات کی ہجو میں ہے اور دوسری ۳۲ صفحات کی ہے جس میں خواجہ حسن نام ایک بزرگ اور لکھنو کی ایک حسین کسبی بخشی کے عشق کا قصہ نظم کیا گیا ہے محمود نے اپنے اُستاد کے خلاف طویل مثنوی کئی ہزار شعر کی لکھی ہیں، میرے خیال میں یہ دکھنی شعرا کا اثر تھا کیونکہ شمال کے شعرا کے برخلاف دکھنی شعرا مثنوی ہی کو باعث شہرت خیال کرتے تھے اور اپنی یادگار غزل کے دیوانوں کے بجائے مسلسل نظم مثنوی کو قرار دیتے تھے، کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے ۔

دے سکندر بنا گدا کو تو — کر دے دارا سا بے نوا کو تو
دے تو شاہی کا جس کو چاہے سریر — چاہے جب شاہوں کو بنا دے فقیر

قصہ کی ابتداء

ملک ایران کا تھا اک والی — میرا اور تیرا ہے خدا والی
کیا بیاں کیجیے اس کی شان و شکوہ — شاہوں کا جس کا در پہ ہوا انبوہ
اُس کے شاہان دہر تھے محتاج — روم اور شام سے تھا لیتا خراج
نام بہرام گور تھا اُس کا — ثانی گور شور تھا اُس کا

بعض دیگر مقامات کا نمونہ :-

تین تھے اُس کے .... فرزند — ایک سے اک بڑا تھا دانشمند
کام میں سلطنت کے دانا تھے — سب قوی ہیکل اور توانا تھے
تھے شجاع و سخی حلیم و دلیر — بہ تہ رزمگاہ کے سب شیر
زور و قوت میں رشک بیژن تھے — رستم وقت وہ تہمتن تھے
معدلت کیش اور عدالت کوش — صاحب دانش و تیز ہوش

ایک دن شاہ عاقبت بیں نے — یعنی دارائے دادآئیں نے
تینوں کے تیں کیا حضور طلب — امتحاں ناکرے انہوں کا ادب
دل کی ہر ایک کی ہوس دیکھے — محک امتحاں پہ کس دیکھے
یعنی لے اُن کا وہ یہ راز ضمیر — ہے کسے اُن سے آرزوئے سریر
کس کو خواہش ہے شہریاری کی — ہے طلب کس کو تاجداری کی
پہلے فرزند اولیں کو بلا — کہنے لاگا کہ سنتے ہو بابا
اب نہیں مجھ کو آرزوئے شہی — آرزو اب نہ کوئی دل کو رہی
صبح شام جوانی ہونے آئی — آخر اب زندگانی ہونے آئی
قرعہ شاہی اب ہے تیرے نام — ہو مبارک تجھے مرا یہ مقام

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے دربار اعظم کے فارسی شعرا وغیرہ کے متعلق مولانا محوی، ایک دلچسپ اور طویل مضمون رسالہ اردو میں شائع کر چکے ہیں جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ میں مدراس میں فارسی شاعری کا بول بالا تھا۔ اعظم نے فارسی شعرا کے حالات میں دو تذکرے بھی لکھے ہیں جو "صبح وطن اعظم" اور "گلزار اعظم" کے نام سے موسوم ہیں۔

یہاں ہم ان شعرا کے مختصر حالات پیش کرتے ہیں جو ان تذکروں کی رو سے "ہندوستانی" میں بھی مشق سخن کرتے تھے۔

معجز — غلام محی الدین نام اور معجز تخلص تھا، بمقام ارکاٹ ۱۲۰۳ھ میں ولادت ہوئی اور ۱۲۲۹ھ میں مدراس میں انتقال ہوا۔ معجز کو باقر آگاہ سے تلمذ تھا۔ پہلے اولاً وہ شہامت جنگ المتخلص بہ محفوظ کے مصاحب تھے، پھر والا جاہ محمد علی

تیسرے فرزند عظیم الدولہ کی تعلیم و تربیت کے لئے[1] مامور کئے گئے عظیم الدولہ نے اپنی مسند نشینی کے بعد معجز کے نام معاش جاری فرمائی ۔

معجز ہمیشہ درس و تدریس میں مشغول رہے، گوشہ نشینی زیادہ مرغوب تھی، شاعری سے بڑی دلچسپی تھی۔ سخن فہم اور سخن سنج تھے، فارسی، اور اردو میں طبع آزمائی کیا کرتے کئی کتابوں کے مصنف ہیں، کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے :[2]

بے خبر عشق بتاں سے تھا مرا دل افسوس — اس بچارہ پہ عبث فتنہ مچائیں آنکھیں

یار کے عشق نے جب سے مجھے سرشار کیا — چشم انگور کو حسرت سے خوں بار کیا

ہمیں کعبہ و دیر سے کچھ نہیں کام — کہ ہر جا ترا جلوہ ہم دیکھتے ہیں

کیا تری چشم کا پیمانہ ہے — حسن جس لہر کا مستانہ ہے

مدت گزر گئی نہ سنی یار کی خبر — اس شوخ دلربا بت غمخوار کی خبر

معجز خیال ہستی موہوم کو وداع — درپیش ہے سفر تجھے دار البقا طرف

ایک دم جلنے پہ مت لاف کر اے پروانے — شمع کو دیکھ کہ تا صبح جلی جاتی ہے

گر شوق ہے بقا کا دل میں ترے اے فانی — ہستی کا حرف لوح خاطر سے مٹا لے

نہ ہو کیونکر دل بے تاب تیرے ناز کے صدقے — جہاں کے جزو کل ہیں سب تیرے انداز کے صدقے

فصیح[3] حسین علی خان المتخلص بہ فصیح، محمود علی خان خطاب تھا، ۱۲۱۰ھ میں عمدۃ الامرا فرزند والاجاہ کے دربار میں باریاب ہوئے، قصیدہ گذرانا۔ اور فصیح الشعرا سے ملقب کئے گئے ۔

۱؎ معجز کے حالات تذکرہ حیات اعظم کے سوا تذکرہ شعرائے دکن (ملکاپوری) اور "تاریخ النوائط" میں بھی مذکور ہیں ۔

۲؎ معجز کا کلام بیاض کتب خانہ حیدری شرف الدولہ سے لیا گیا ہے ۔ ۳؎ گلزار اعظم ۔

اعظم کے مشاعرہ میں شریک رہا کرتے، گلدستہ کرناٹک کا خلاصہ مرتب کیا،
عمدۃ الامرا کی مدح میں جو قصیدہ پیش کیا تھا اس کا مطلع حسب ذیل تھا۔

ہر ذرۂ بے قدر کو خورشید بنایا — یہ کام تو تیرا ہی ہے ممتاز[1] زمانہ

تجلی حکیم عظیم الدین المتخلص بہ تجلی، اگرچہ لکھنؤ کے متوطن تھے مگر ۱۲۱۲ھ میں مدراس آئے اور یہیں کے ہو رہے، مدراس میں اپنی تعلیم کی تکمیل ملک العلماء مولانا عبدالعلی بحرالعلوم سے کی، مثنوی، غزل، اور مرثیہ لکھا کرتے، مثنوی وغیرہ میں تجلی اور مرثیوں میں غمگین تخلص قرار دیا تھا ۱۲۲۰ھ میں انتقال ہوا، مدراس میں مدفون ہیں۔

ناظر غلام عبدالقادر نام، ناظر تخلص، اور قادر عظیم خان خطاب تھا مہجر کے فرزند ہیں ۱۲۰۰ھ میں ولادت اور ۱۲۴۳ھ میں بمقام مدراس انتقال ہوا۔
مولانا باقر آگاہ، مولوی محمد غوث شرف الملک، مولانا علاء الدین احمد سے علم کا اکتساب کیا، شاعری میں باپ سے تلمذ تھا۔

ریاست ارکاٹ میں خدمت میرسامانی اور مہتمی کتب خانہ پر مامور تھے۔
آخری زمانہ میں وقائع نگاری کی خدمت بھی ملی تھی، فارسی اور اردو میں طبع آزمائی کیا کرتے، کئی کتابوں کے مصنف ہیں، ان میں سے بہار اعظم، گلدستان، شرح سکندر نامہ گلستان نسب زیادہ مشہور رہیں۔

خادم غلام مرتضیٰ خان نام خادم تخلص اور عظیم جنگ ممتاز الملک خطاب تھا جنابت جنگ اور محمد علی خان والاجاہ دادا تھے، فارسی اور اردو میں طبع آزمائی کیا کرتے

---

[1] ممتاز، عمدۃ الامرا کا تخلص تھا۔

زیادہ تر اُردو شاعری سے دلچسپی تھی۔

شایق غلام محی الدین نام اور شایق تخلص، باقر آگاہ اور شرف الملک سے اکتسابِ علم کا شرف تھا۔ شاعری میں اظفری سے تلمذ حاصل تھا۔ فارسی کے ساتھ اُردو میں بھی شعر گوئی کا ملکہ حاصل تھا۔ "رشکِ بہشت" نام ایک مثنوی کے علاوہ دیوان بھی مرتب کیا تھا۔ سنہ ۱۲۴۹ھ میں انتقال ہوا۔

احقر سید نظام الدین المتخلص بہ احقر سنہ ۱۲۰۱ھ میں مدراس میں ولادت ہوئی، آگاہ، عجز، نامی، اظفری سے تلمذ حاصل تھا۔ فارسی اور اُردو دونوں دیوان مرتب کئے تھے۔

بے ہوش حکیم محمد قادر علی خان نام اور بیہوش تخلص تھا۔ بمقام مدراس سنہ ۱۲۲۷ھ میں ولادت اور سنہ ۱۲۶۰ھ میں انتقال ہوا۔ قاضی ارتضا علی خان سے تحصیلِ علم کیا تھا۔ علمی قابلیت بہت اچھی تھی، شاعری میں کسی سے تلمذ نہیں تھا۔ فارسی اور اُردو دونوں دیوان مرتب کئے تھے۔

فاروق خان عالم خان المتخلص بہ فاروق سنہ ۱۲۰۱ھ میں ولادت ہوئی، اظفری اور نامی سے تلمذ حاصل تھا۔ شاعری کے ساتھ موسیقی میں بھی مہارتِ تامہ حاصل تھی، مشاعرہ اعظم میں شریک ہوا کرتے۔

کامل غلام کبریا نام اور کامل تخلص سنہ ۱۲۱۱ھ میں بنگال سے مدراس آئے اور یہاں اقامت کر لی۔ عربی، فارسی اور اُردو میں شعر کہا کرتے، طوطیِ بنگال کے لقب سے مشہور تھے۔

احمدی غلام احمد نام اور احمدی تخلص، اسد الدین خان باپ تھے سنہ ۱۲۱۵ھ میں ولادت ہوئی، مولوی واقف اور میر قطب حسن سے تعلیم پائی، قوت جنگ کی وکالت پر

مامور تھے، ۱۲۶۲ھ میں بزم مشاعرہ اعظم میں شریک ہوئے، فارسی اور اردو میں شعر کہا کرتے، دونوں زبانوں کے دیوان مرتب کئے تھے، "بحر غم" کا ترجمہ غم نامہ کے نام سے کیا تھا۔

منتظر سید شاہ فتاح احمد، المتخلص بہ منتظر، بمقام مدراس ۱۲۴۱ھ میں ولادت اور ۱۲۶۸ھ میں انتقال ہوا۔ میر مجروح سے تلمذ حاصل کیا تھا۔ مشاعرہ اعظم میں شریک رہا کرتے، فارسی اور اردو دونوں میں طبع آزمائی کرتے تھے۔

حشمت انور حسین نام انور الدین محمد خان حشمت جنگ خطاب اور حشمت تخلص تھا۔ محمد علی خان والاجاہ کے پوتے تھے، بمقام مدراس ۱۲۰۴ھ میں ولادت اور ۱۲۶۹ھ میں انتقال ہوا۔ نامی سے شرف تلمذ حاصل تھا، فارسی اور اردو میں شعر کہا کرتے۔

مختار باقر حسین المتخلص بہ مختار بمقام سرنگ پٹن ۱۲۱۰ھ میں ولادت ہوئی، پانچ سال کی عمر میں مدراس آئے اور یہاں اقامت کرلی، دربار ارکاٹ سے حسن علی خان بہادر کا خطاب ملا، مشاعرہ اعظم میں شریک ہوا کرتے۔ شاکر اور تجلی سے تلمذ حاصل تھا۔ تجلی کی صحبت کے اثر سے مختار نے بھی مرثیہ گوئی میں نام پیدا کیا تھا۔ ان کے مرثیے شمالی ہند میں بھی مشہور تھے۔

افسر رضا حسین نام اور افسر تخلص ۱۲۱۹ھ میں ویلور میں ولادت ہوئی عالم شباب میں مدراس آئے اور قاضی ارتضا علی خاں سے تلمذ حاصل کیا۔ مشاعرۂ اعظم میں رسائی پیدا کی، فارسی اور اردو کے دیوانوں کے علاوہ دو ایک کتابیں تصنیف کی ہیں

باقی غلام حسین باقی تخلص، بمقام مدراس سنہ ۱۲۴۰ھ میں ولادت ہوئی، شاعری میں زین العابدین قائم سے تلمذ حاصل تھا۔ اردو میں ایک مثنوی بھی لکھی تھی۔

کمال سید کمال الدین المتخلص بہ کمال ساتوری، فارسی اور اردو شاعری میں اچھی مہارت حاصل تھی۔

فدا غلام حسین فدا، زیادہ تر اردو میں مشق سخن کرتے تھے آخری زمانہ عمر میں حیدرآباد چلے گئے تھے

واقف شاہ میراں محی الدین قادری المتخلص بہ واقف بمقام او دگیر سنہ ۱۲۰۵ھ میں ولادت ہوئی، فایق سے تلمذ تھا مدراس آکر اعظم کے مشاعرہ میں شرکت کی مدرسہ اعظم کی فارسی مدرسی کی خدمت پر مامور تھے۔

سر مخفی سے انا الحق کے نہ تھا میں واقف   جب تلک شیخ میرا حضرت منصور نہ تھا

مسکین و واصف محمد مہدی نام مسکین اور واصف تخلص کرتے تھے۔ سنہ ۱۲۱۵ھ میں بمقام مدراس پیدا ہوئے، علماء وقت سے علم کی تکمیل کی، عربی اور فارسی کے ساتھ انگریزی میں بھی مہارت حاصل کی، انگریزوں کی تعلیم کے لئے سرکار کمپنی کے مدرسہ میں ملازم ہوئے۔ چند سال کے بعد اس خدمت سے سبکدوشی حاصل کی سنہ ۱۲۶۲ھ میں نواب غلام محمد غوث خان اعظم کے دربار میں باریاب ہو، بہ مترجمی کی خدمت پر مامور ہوئے اور مشاعرہ اعظم میں شریک ہونے لگے۔

اعظم کے انتقال پر حیدرآباد آئے اور مدرسہ دارالعلوم میں عربی کے استاد مقرر ہوئے سنہ ۱۲۹۰ھ میں بمقام حیدرآباد انتقال ہوا۔ کئی فارسی کتابوں کے

۱؎ گلزار اعظم صفحہ ۲۹۷ و تاریخ دارالعلوم   ۲؎ سخنوران بانہ نگر صفحہ ۱۸۴

مصنف ہیں، ۱۲۷۴ھ میں اردو دیوان شائع ہوا ہے "روضۂ رضوان" اس کا نام ہے۔ کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے :-

دست بلا میں نقشہ ہے اک لالہ زار کا
داغ سیاہ جس کا ہے گردہ بہار کا

کیونکر گل پیادہ نہ ہوئے رکابدار
اب معرکہ میں جلوہ ہے اک شہسوار کا

جب سے دیکھا ہوں میں لقائے حسین
ہوگیا ہوں بدل فدائے حسین

خاک ہونا ضرور ہے آخر
کیوں نہ ہو جاویں خاکپائے حسین

گلستاں میں بغور سن مسکیں
بلبلاں بولتے ہیں ہائے حسین

نقل محفل میں اکبر کی جوانی ہوگی
نوجوانوں کے لئے غم کی کہانی ہوگی

موت شہزادے کی جو مثل ہمیر نہ تھی
قاطع آرزوئے عالم فانی ہوگی

مجلس شاہ میں ہے شمع کے دل میں جو آگ
بخت کی روشنی سے اشک فشانی ہوگی

اب ہم اس دور کے اور چند شعرا کا تذکرہ کرتے ہیں، جن کا ذکر صدر الذکر تذکروں میں نہیں ہے۔

حاکم — حاکم کے متعلق ہمیں کچھ معلومات نہیں ہیں، صرف یہ جانتے ہیں کہ وہ ارکاٹ کا باشندہ اور ٹیپو سلطان کا ہمعصر تھا۔ سلطان کی شہادت پر اس نے ایک پر اثر اور دل سوز مرثیہ لکھا ہے، اس کے دو ایک شعر پیش کئے جاتے ہیں۔

اے فلک بس تو سفلہ پرور ہے
نیک بدخواہ کینہ آور ہے

آہ خانہ خرابیاں جگ میں
تجھ سیں اہل جہاں پہ اظہر ہے

روز کرتا ہے قتل نیکاں کوں
ظلم کا ہات تیرے خنجر ہے

یوسے نالہ یوکر زیادہ آہ
ٹیپو سلطان شہید اکبر ہے۔

جب دلربا کی چشم کا میں آشنا ہوا — مرما ہوا، غبار ہوا، طوطیا ہوا
اُس تند خو کی غم سے حاکم سبھوں کو چھوڑ — مفلس ہوا، غریب ہوا، بلیوا ہوا[1]

نادر

اس دور کا ایک اور شاعر نادر ہے اس کے متعلق بھی ہمیں تفصیلی معلومات حاصل نہیں ہیں، البتہ اس کی دو مثنویوں کا پتہ چلتا ہے، ایک مثنوی "رشک قمر و مہ جبیں" سے موسوم ہے اور دوسری مثنوی ایک سفرنامہ ہے۔ رشک قمر و مہ جبیں کا ذکر مولف سخنوران بلند فکر نے کیا ہے[2] اور کلام کا کچھ نمونہ بھی دیا ہے۔ دوسری مثنوی جو تواب صاحب ارکاٹ کا سفرنامہ ہے۔ اس کا ایک ناقص اول مخطوطہ راقم کے پاس ہے۔ اس مثنوی سے معلوم ہوتا ہے کہ نادر کو ناظری سے تلمذ حاصل تھا اور ۱۲۵۰ھ میں اونہوں نے اس مثنوی کو مرتب کیا ہے۔ نادر کے کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے:-

عجب صانع کار پرداز ہے — بڑی عقل سے اس کا ہر راز ہے
حنا کو رکھا برگ کے رنگ میں — رکھا لعل کو شیشۂ سنگ میں

اے صیاد دور فلک بد گہر — قفس سے مجھے غم کے آزاد کر
تھا میں عیش کے پھول سے یار غار — ہوں اب خار غم سے بہت خوار زار
ہے لالہ سا اس غم سے دل داغ داغ — مجھے چھوڑ تا میں رہوں باغ باغ
ارے ساقی امید کا جام دے — دلارام دے سے تو آرام دے[3]

سفرنامہ کے چند اشعار بھی پیش ہیں:

---

[1] از بیاض کتب خانہ مولوی صفی الدین صاحب مرحوم
[2] سخنوران بلند فکر صفحہ ۲۱۸
[3] سخنوران بلند فکر صفحہ ۲۲۰

ارے ساقی بزم گلفام عیش — خدا نے لے آیا ہے ایام عیش
پلا مجکو صہبائے گلرنگ اب — بہار خوشحالی ہے جس کا لقب
پلا جلد مشتاق ہوں جام کا — مجھے کام ہے ساقیا کام کا
شہنشاہ میرا چلا ہے سفر — سفر کا وسیلہ ہے بیشک ظفر
بیاں تھوڑا کرتا ہوں اسباب کا — ضروری سفر کے جو ہمراہ تھا
شتر سیکڑوں ہیل تھے بیشمار — گئے سیکڑوں پالکی خوش نگار
ہزاروں سے تھے گاڑی اور بنڈیاں — تھے کئی باربردار گاواں رواں
جو تھی فوج ہمراہ پیدل سوار — شمار اون سے عاجز رہے لاکھ بار
کتک منزلیں قطع کی جبکہ شاہ — گیا ایک صحرا پو جا خیمہ گاہ
عجب کچھ وہ صحرا تھا اوٹا مقام — وہاں ایک ہی رنگ تھی صبح و شام
نہ تھا روز و شب کا وہاں امتیاز — خور و ماہ بھی وہاں تھے کار ساز
پرندے کا او بس جائے تھا کم گزار — درندوں کا مسکن تھا وہاں بیشمار
وہاں پانی کیچڑ بھی یک رنگ تھا — کہ نوک سناں ریزۂ سنگ تھا[1]

شعلہ[2] محمد عبدالوہاب خاں نام شعلہ تخلص خاندان والاجاہی سے تعلق رکھتے تھے۔ مدراس کے قابل اور مستند علماء سے تعلیم کی تکمیل کی شاعری میں شریعت مدراسی کے شاگرد ہوئے، کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے :-

پردے سے یہ پیدا ہے کہ مینا نہ ہے اس کا
ہر آنکھ سے ظاہر ہے کہ پیمانہ ہے اس کا

۱؎ از مخطوطہ مملوکہ راقم ۵۲۴

۲؎ محبوب الزمن صفحہ ۵۳۴

آبادی میں لگتا نہیں زنہار مرا دل — شاید کہ بیابان جنوں خانہ ہے اس کا
اللہ رے اس شمع شب افروز کی گرمی — شعلہ کی طرح دیکھیے پروانہ ہے اس کا
سینہ کے چمن میں ہیں گل داغ شگفتہ — یہاں دخل نہیں کچھ خلشِ خارِ خزاں کا

رضا [1] محمد رضا خان نام اور رضا تخلص تھا، حسین دوست خان چندا صاحب کی اولاد میں تھے، مرزا دبیر لکھنوی سے تلمذ حاصل تھا، فارسی اور اردو دونوں میں طبع آزمائی کرتے تھے، مرثیے بھی لکھا کرتے۔

دوست دشمن عدو یگانہ ہوا — منقلب کس قدر زمانہ ہوا
ہم اسی بے وفا پہ مرتے ہیں — جس کا وعدہ کبھی وفا نہ ہوا
سفاک کی گلی میں تھا خون تا کمر رواں — تقدیر نے دکھائی نئی کربلا مجھے

ہنر احمد حسین روسائے مدراس کے استاد تھے ۱۲۹۳ھ میں ایک مثنوی بنام شعلہ عشق مرتب فرمائی ہے۔

تھا ملک یمن میں اک شہنشاہ — خوش رو خوش خلق نیک ذیجاہ
کیا اس کی کہوں شکوہ و صولت — حاضر خدمت میں اس کی دولت
لشکر جرار ملک وافر — آسودہ سپہ خزانہ حاضر
ہر ملک میں اس کی تاجداری — ہر شہر میں اس کی شہریاری
لیتا تھا خراج ہر کہیں سے — صوبے اس کے تھے ملک چین سے
خنداں تھا ہمیشہ شکل بلبل — کاشانے کا پر چراغ تھا گل
اس داغ سے روز جل رہا تھا — دل ہی دل میں وہ گل رہا تھا [2]

---

[1] محبوب الزمن صفحہ ۴۷۵
[2] شعلہ عشق

ہمّت [1] محمد فاضل عرف غلام دستگیر، ہمت تخلص محمد فاضل تاریخی نام ہے، عربی، فارسی، اردو کے ساتھ سنسکرت کے بھی ادیب تھے، شہر استاد سے ملقب تھے۔ دربار اعظم سے تعلق تھا۔ مشاعرہ میں شریک رہا کرتے۔ اعظم کے انتقال کے بعد جب مدراس میں شعر و سخن کی قدر گھٹی تو ہمت بھی دل شکستہ ہو گئے آخر عمر میں مدراس کے پریسیڈنسی کالج میں پروفیسر ہو گئے تھے، لیکن نصاب کی کتب پڑھانے کے عوض ان کے مضامین سے متعلق فارسی، اردو، ہندی اشعار "دوہے" رباعیات یا قطعات فی البدیہہ کہتے یا شب میں قصائد یا غزلیات لکھ لاتے اور اپنے شاگردوں کو سنا کر فوراً کاغذ چاک کر دیتے تھے کسی کو ان کی نقل بھی لینے نہیں دیتے تھے۔ نواب سر امین جنگ سابق صدر المہام پیشی حضور نظام آپ کے شاگرد ہیں۔

مذنب مذنب بھی اسی دور کا شاعر ہے، ہم اس کے نام اور تفصیلی حالات سے واقف نہیں ہیں، البتہ اس کی مثنوی سے بعض امور کا پتہ چلتا ہے وہ رئیس الامرا کی سرکار سے متوسل تھا، ماہوار رسالت روپیہ ملا کرتے، اس نے اپنی مثنوی قصۂ "چہرۂ آفتاب" اس لئے لکھی ہے کہ ماہوار میں اضافہ ہو جائے اور ایک گھوڑا بھی مل جائے۔

"مذنب" کی مثنوی طویل ہے اس کے اشعار کی تعداد (۸۰۰) شعر سے زیادہ ہے، ایک فرضی قصہ اس میں منظوم ہوا ہے، نہ معلوم وہ مصنف کا طبع زاد ہے یا کسی فارسی قصہ کا ترجمہ گمان غالب یہ ہے کہ یہ کسی فارسی قصہ کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ مصنف کی دماغی پیداوار ہے۔

---

[1] ماخوذ از پیش لفظ حضرت امجد کی شاعری۔

اگرچہ قصہ بالکل مختصر ہے مگر جزئیات کی تفصیل کے باعث مثنوی طویل ہو گئی ہے، منگنی کی کیفیت، برات، شادی کی تفصیل، واپسی اس موقع پر ایک ایک دن کے سفر کی حالت کو بیان کیا گیا ہے پھر بچہ آفتاب کولڑکا ہوتے اور اس کے رسومات چھٹی چھلہ وغیرہ کی صراحت بھی ہوئی ہے اور آخر پر شہزادہ مہر تخت نشین ہوتا ہے، جس پر مثنوی ختم ہوتی ہے

اس مثنوی سے اس زمانہ کے رسومات پر بہت اچھی روشنی پڑتی ہے جزئیات کی جس طرح وضاحت ہوئی ہے اس سے مصنف کی قابلیت کا پتہ چلتا ہے، مذنب کے کلام کا نمونہ درج کیا جاتا ہے:-

غزل

بعد مدت کے ہوا ہے وصل یار — دل غنیمت جان اس کو بے شمار

دل تصدق ہو تو اس کے حسن پر — جان تو قدموں پہ ہو اس کے نثار

کیا کروں میں لیکو اب جو ربہت — بس مجھے رخسار کا اس کے بہار

اشک شادی آنکھ میں آتے ہیں بھر — ہجر میں کیا دل تھا رہتا بے قرار

دل میں آتا ہے کہ چوم اس کے قدم — داب چھاتی سے لگا لیوں کرکے پیار

یار جب ملتا ہے مذنب آن کر — باقی تب رہتا نہیں کچھ اختیار

مثنوی

وہاں خیر اندیش دولہن کے گھر — چلا رسم شب گشت لے با کروفر

وہ دولہ کا جوڑا جوا ہر نگار — بھی موتیوں کا سہرا و پھولوں کا ہار

کلائی نکھورے کے پا کھر موتیاں سے بھر — تلے تھا میانہ کے طبقوں میں دھر

چلا خیر اندیش لے ساری بن — خبر پہنچی جو نیک اختر کو دن

پھر رات رہتی اٹھا کوتوال ✽ جگا کر ہر ایک کو کہا اٹھ سنبھال
بندا و بندی لشکر میں ہونے لگی ✽ تیاری گھر گھر میں ہونے لگی
کمر کس کے ہونے لگا کوئی تیار ✽ اٹھا لے بندا کوئی پانچو ہتیار
کوئی اپنا سب بند باندکر ✽ ڈیے کار بار اور چھکڑیوں پو دہر
رہے مل کے یک ہوگئی جان و تن ✽ بن آیا جو کچھ کام آتا تھا بن[1]

لطیف | سید سیف الدین عبداللطیف نام اور لطیف تخلص، ارکاٹ کے باشندے تھے۔ ان کا دیوان ۱۲۹۸ھ میں مطبع فردوسی مدراس میں طبع ہوا ہے دیوان کی تکمیل ۱۲۸۸ھ میں ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے لطیف کا انتقال ۱۲۸۸ھ کے بعد ہوا ہے، کلام کا نمونہ پیش ہے۔

چشم حیا چمن میں ہیں نرگس کے دیکھ کر ✽ نادم ہوں سب طرح سے میں اپنے نگاہ کا
صحرا الصحرا جس کو تم ڈھونڈتے ہو یارو ✽ ہم دل میں دیکھتے ہیں اس یار کا تماشا
ممکن ہے زندگی میں جو چاہے سو ہوسکے ✽ تو یہ بھی تو کریم کے درگہ سے رد نہیں
جگ میں یا رو لطیف کے مانند ✽ کوئی ایسا تو اب حقیر نہیں
اے غنچہ دہن کچھ تو ذرا بول زباں سے ✽ بلبل کی طرح میں بھی تو مشتاق ندا ہوں
صحبت سے اس پری کے ہمیشہ پرے رہو ✽ سو مکر میں بھری ہے سمجھ بوجھ کر چلو
جو حلاوت کہ جوانی نے دکھائی تھی لطیف ✽ اس کا ہم اپنے بڑھاپے میں مزا دیکھ چکے

غبار دنیا سے موج دریا ہمیشہ دامن جھٹک رہی ہے
ہمارے حرص و ہوا کی کشتی الٰہی اب تک اٹک رہی ہے[2]

---

[1] از مخطوطہ تحفۂ آفتاب کتب خانہ مولوی خلیل اللہ صاحب
[2] از دیوان لطیف مطبوعہ مملوکہ راقم۔

بہت سے عاشق لگا کے پر سے ہوائے دنیا سے پار ہوگے
مگر یہ کشتی بے وفا کی ہنوز لنگر لٹک رہی ہے

اگرچہ آدم ہمارے خاطر ہوائے جنت کو چھوڑ نکلا
مگر وہ حوا کی دلفریبی جگر میں اب تک کھٹک رہی ہے

غلام محمد غلام محمد خان بہادر نے ۱۲۷۵ھ میں دلائل النبوۃ کے نام سے ایک مثنوی آنحضرت صلعم کے شمائل میں لکھی ہے۔ جو مدراس سے اس سنہ میں شائع ہوئی ہے کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے:-

پلا ساقیا مجھ کو صہبائے ذوق — شمایل کا آیا ہے اب دل میں شوق
سراپا کا حضرت کے جب ہو بیاں — تو گویا نہ ہو کیوں قلم کی زبان
وہ قامت قیامت سے تھی آشنا — تو چہرہ بھی خورشید محشر ہوا
الف تھا رسالت کا قد آپ کا — لقب آپ کا اس سے احمد ہوا
الف ہے سر حرف نام الہ — یہ نکتہ نبوت پہ ہوگا گواہ

دندان مبارک کا بیان

دے دندان ہوئے گوہر شاہوار — تفاوت تھی دہان درمیان آشکار
کہ سلک جواہر جو منظور ہے — جدائی دو گوہر کی معلوم ہے
لب لعل سے متصل سلک دُر — مُرصع جواہر کی ڈبیا تھی پر
در نظم قران تھا ان سے عیاں — تو نور علی نور کا تھا نشان
گہر سے لٹکائے در خوشش رقم — عجب جوہری تھے خدا کی قسم

ثنا ان کی مشہور در یتیم — سکھایا انہیں علم رب کریم[1]

علی بخش

اسی عہد کے ایک شاعر علی بخش ہیں انہوں نے قصہ بی بی مریم کے نام سے ۱۲۹۰ھ میں ایک مثنوی لکھی ہے جو ۱۳۱۹ھ میں مطبع نظام مدراس سے شائع ہو گئی ہے۔ افسوس ہے کہ ہم علی بخش کے متعلق کوئی مزید صراحت نہیں کر سکتے۔ کلام کا نمونہ پیش ہے۔

روایت لکھوں دوسری خوش کلام — سنو اس کے تئیں سب بھی تم خاص و عام
کہے ہیں غدر سے ہوئیں جب فراغ — سو مریم کا تب دل ہوا باغ باغ
غسل کر مقدس میں جانے لگی — وہ خود سر کے بالیں سکھانے لگی
ہوا حکم جبرئیل پر آشکار — اے جبرئیل نامی امانت شعار
تو مریم کنے جا قدم جلد تر — کرو اس پہ دم تم گریباں پکڑ
اسی وقت جاؤ یہ روئے زمیں — گریباں میں مریم کے پھونکا اے امین
اسی وقت جبرئیل از حکم رب — گریباں میں مریم کے پھونکا ہے تب
اسی وقت مریم ہوئیں حاملہ — رہیں خاص بی بیوں میں وہ کاملہ[2]

نثر

اب ہم اس دور کی نثر کا تذکرہ کرتے ہیں، نثر نگاروں کی تعداد بھی خاصی ہے نثر میں زیادہ تر مذہبی کتابیں (مثلاً تفسیر، حدیث، سیر، عقاید، فقہ وغیرہ) لکھی گئی ہیں بعض کتابیں تو خاصی طویل ہیں۔

نظم کی طرح نثر کی کتابیں بھی نہ صرف کسی فارسی یا عربی کتاب کا ترجمہ ہیں بلکہ

۱ے دلائل المشہورہ راقم کے پاس موجود ہے۔ ۲ے اس مثنوی کا مطبوعہ نسخہ راقم کے پاس ہے۔

ذاتی تصانیف بھی ہیں۔ ترجمہ شدہ کتابوں میں الف لیلیٰ کی پہلی دو سو راتوں کا ترجمہ خاص حیثیت رکھتا ہے، جس کو ۱۸۴۵ء ۱۲۶۱ھ میں شمس الدین احمد نے کیا ہے[1]۔ عربی اور فارسی کے علاوہ انگریزی سے بھی چند کتابیں ترجمہ ہوئی ہیں۔ مثلاً رسالہ کاشت نیل[2] وغیرہ ذیل میں بعض نثر نگاروں کے تعارف کے ساتھ ان کی نثر کا نمونہ بھی پیش کیا جاتا ہے۔

مولوی محمد غوث[3]

مولوی محمد غوث مرحوم، باقر آگاہ کے رشتہ دار تھے۔ آپ کا خاندان بھی بیجاپور سے ارکاٹ میں آیا تھا۔ یہاں ۱۱۶۱ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی اور ۱۲۳۸ھ میں مدراس میں انتقال ہوا۔ مسجد والاجاہی میں مدفون ہیں۔

مولوی محمد غوث نے مولوی امین الدین احمد خان اور ملک العلماء بحر العلوم سے اپنی تعلیم کی تکمیل کی، رؤسا ارکاٹ کی ملازمت میں شامل تھے والاجاہ کے فرزند امیر الامراء کی رفاقت میں رہے، اس کے بعد اُن کے فرزند عظیم الدولہ کے اتالیق مقرر ہوئے ۱۲۱۹ھ میں عظیم الدولہ نے اپنی دیوانی پر مقرر کر کے شرف الدولہ غالب جنگ شرف الملک کے خطاب سے سرفراز کیا۔ مگر آپ چند سال کے بعد خدمت سے مستعفی ہو کر تصنیف اور تالیف میں مشغول ہو گئے۔ اکتیس کتابیں تصنیف فرمائیں، جن میں سے ایک اردو سے اور باقی عربی و فارسی ہیں۔

شرف الملک اپنے وقت کے جید عالم تھے، ان کی قابلیت ان کی عربی تصانیف سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے، جن میں سے بعض حیدر آباد کی علمی انجمن "اشاعۃ العلوم" کی جانب سے شائع ہوئی ہیں۔

---

[1] خطبات گارساں دتاسی مطبوعہ انجمن ترقی اردو صفحہ ۱۷۳ [2] ایضاً صفحہ ۲۰۷ [3] تاریخ احمدی و تاریخ النوائط۔

شرف الملک نہ صرف خود ایک علمی خاندان کے فرد فرید تھے، بلکہ ان کی اولاد بھی آج تک علم کی خدمت گزاری میں مصروف و منہمک ہے۔ مسلسل کئی صدی سے علم کی خدمت گزاری اس خاندان کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے، شرف الملک کی اردو تالیف ایک ہی ہے، یہ ترجمہ کیدانی ہے۔ اس کی عبارت کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

"جان تو بیشک بندہ جانچا گیا ہے درمیان اس کے کہ فرمانبرداری کرے وہ اللہ بزرگ کی، پس ثواب پاوے، اور درمیان اس کے کہ نافرمانی کرے اس کی پھر عذاب کیا جاوے، اور جانچ اللہ کی موقوف ہے ساتھ عمل شرع کے اور ساتھ عمل غیر شرع کے"[1]

عبد الصمد عبد الصمد ابن عبد الوہاب خان نصرت جنگ، نصرت جنگ والاجاہ کے بھائی تھے، تفصیلی حالات کی ہمیں اطلاع نہیں ہے۔

فارسی قصص الانبیاء کا اردو میں ترجمہ کیا ہے، کتاب میں اول مختصر دیباچہ ہے اس کے بعد نفس مضمون کا ترجمہ ہے، خاصی ضخیم کتاب ہے عبارت کا نمونہ حسب ذیل ہے:

"میرا نام عبد الصمد عبد الوہاب خان بہادر نصرت جنگ کا فرزند ہوں، عالم کا فایدہ ہونے کے واسطے قصص الانبیاء کو دکھنی شعر میں بنایا ہوں اور کتنے پیغمبروں کا احوال اس کتاب میں نہیں تھا سو دوسرے کتابوں میں سے لیکر اس میں داخل کیا ...."

یک روز حضرت یعقوب علیہ السلام کی ماں کہی کہ تو یہاں اپنے جان کے خوف سیں رہتا ہے رات کے وقت نکلتا ہے، توں میرے ساتھ شام کے ملک کو چل وہاں میری بہن کی لڑکی سے تیری شادی کر دیتی ہوں، جب یعقوب علیہ السلام اور انو کی ماں دونو ملکر چلے تب انو کی ماں

---

[1] ترجمہ کیدانی اس کے نسخے ہمارے خاندان میں موجود ہیں شائع نہیں ہوئی ہے۔

یعقوب علیہ السلام کا نام اسرائیل رکھے ۔" ۱

شیخ آدم

نواب عمدۃ الامرا (۱۲۱۱ھ تا ۱۲۱۶ھ) کے زمانہ میں کوئی بزرگ شیخ آدم نے "ترجمہ آدم فی الحدیث" کے نام سے ایک کتاب مرتب کی ہے ۔ افسوس ہے کہ ہم شیخ آدم کے متعلق کسی صراحت سے قاصر ہیں، البتہ دیباچہ کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ عمدۃ الامرا کے زمانہ میں یہ کتاب مرتب ہوئی ہے شیخ آدم ان کے استاد کی حیثیت رکھتے تھے ۔ عمدۃ الامرا کی فرمائش سے اس کا ترجمہ کیا گیا ہے ۔

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ حدیث کی کتاب ہے جو عربی سے ترجمہ ہوئی ہے، عبارت کا نمونہ حسب ذیل ہے ۔

"بعدہ جان توں جو مردمک دیدہ دولت و اقبال نور البصر جاہ و جلال ......

جناب امیر الہند والاجاہ نواب عمدۃ الامرا بہادر ...... زواجر کی کتاب جو حدیث شریف ابن حجر ہیتمی میں ہے اس عاصی میں یعنی شیخ آدم میں قرات کرتا تھا اوس کے کثیر الفواید پر نظر کر کے فرمایا اگر اس کا ترجمہ صاف ہندی ہووں تو سب کوں خصوص عورتاں اور امیاں کوں بہوت فایدہ بخشیگا اور گناہاں میں توبہ کریں گے اس واسطے یہ عاصی اس کوں ترجمہ کیا ۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تفسیر میں ہے کہ ویل دوزخ میں یک وادی ہے، وادی گھڑی کو کہتے ہیں اس وادی سے تمام دوزخیاں اور دوزخ ہر یک روز سات دفعہ پناہ مانگتے ہیں کہ اس وادی کی حرارت گرمی اپنی کوں نا پہنچے غرض وہ وادی اول وقت نماز نا پڑکر آخری وقت کرتے ہیں انوکون ہے جو کہ نماز نہیں پڑتے ہیں ان کا احوال کیا ہوگا ۔

---

۱ اس کا مخطوطہ ہمارے بزرگ مولوی عبد اللہ صاحب کے کتب خانہ میں ہے ۔

شاہ ابوالحسن شاہ ابوالحسن بھی اسی زمانہ کے اہل قلم ہیں ان کے متعلق ہمیں کوئی معلومات نہیں ہیں، البتہ یہ پایا جاتا ہے کہ ان کا تعلق گورنمنٹ مدراس سے تھا۔ سنہ ۱۲۲۶ھ/۱۸۰۸ء میں انہوں نے مدرسوں کے لئے ایک جغرافیہ مرتب کیا ہے جو غالباً کسی انگریزی یا فارسی کتاب کا ترجمہ ہے، اس جغرافیہ کا نام "مختصر بیان دارالحکومت مدراس" ہے۔

اس کا مخطوطہ[1] ہماری نظر سے گزرا ہے چند نقشے بھی اس میں شامل ہیں عبارت کا نمونہ حسب ذیل ہے۔

" دارالحکومت مدراس ایسٹ انڈیا کمپنی کے علاقہ میں ہے، سو ہندوستان کے چار حصوں میں کا ایک حصہ ہے، اس کو کبھی گزیٹ یعنی سرکاری کاغذ میں دارالحکومت فورٹ سنٹ جارج بھی لکھا کرتے ہیں، اور یہ ہندوستان کے جنوب کی طرف تھوڑے تھوڑے ملکی ریاستوں کے ساتھ واقع ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس ضلع میں جملہ پانچ لاکھ ستر ہزار اسی پر تین آدمی ہیں "

مولوی محمد صبغۃ اللہ مولوی محمد صبغۃ اللہ[2]، مولوی محمد غوث شرف الملک کے چھوٹے فرزند تھے سنہ ۱۲۱۱ھ میں تولد ہوئے اور سنہ ۱۲۸۰ھ میں انتقال ہوا، مدراس کی جامع مسجد میں مدفون ہیں۔

مولوی محمد صبغۃ اللہ نے اپنے زمانہ کے جید علمائے سے تعلیم حاصل کی اور اپنے ذوق وشوق سے بہت جلد فارغ التحصیل ہو گئے، حدیث، فقہ، تفسیر، تاریخ، فلسفہ کے علاوہ ریاضی، ہیئت اور طب میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے۔

---

[1] اس کا ایک مخطوطہ شرف الدولہ مرحوم (مدراس) کے کتب خانہ میں ہے۔

[2] تاریخ احمدی و تاریخ الفوائد

اعظم جاہ اور غلام غوث خان کے زمانہ میں خدمات صدارت قضاءت اور مفتی سے سرفراز تھے
اولاً عمدۃ العلماء بدرالدولہ قاضی الملک محمد جنگ کا خطاب ملا، پھر امام العلماء منصف الدولہ،
معدلت خان قاضی الاسلام مستعد جنگ کے خطاب سے موسوم ہوئے مگر آپ زیادہ تر قاضی
بدرالدولہ کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔

قاضی بدرالدولہ ایک بلند پایہ مصنف تھے، عربی فارسی کے علاوہ آپ اردو زبان کے
بھی مصنف ہیں، آپ کی دیگر کتابوں کے قطع نظر اردو کتابیں (۱۳) ہیں جن کی فہرست حسب ذیل ہے

شمار	نام کتاب	فن	کیفیت
۱	تحفۃ شافعی	فقہ	مختصر فقہ ہے۔
۲	ریاض النسوان	فقہ	خاصکر عورتوں کے لئے لکھی گئی ہے
۳	رسالہ در احکام عدت	”	بیوہ عورتوں کے لئے مرتب فرمایا تھا۔
۴	فوائد بدریہ	سیر	آنحضرت صلعم کی مکمل سیرت ہے۔
۵	بہشت گلزار	سیر	ابوبکر صدیق رضہ کے حالات ہیں۔
۶	نثر الجواہر	سیر	شیخ عبدالقادر جیلانی کے حالات
۷	خزانۂ معدلت	اخلاق	
۸	توشۂ فلاح	مناسک	حج کے مناسک
۹	قوت الارواح	”	توشۂ فلاح کی شرح ہے کتاب کی ضخامت بڑی سائز کے (۸۰۰) صفحے ہیں عربی میں بھی کوئی کتاب اس فن میں اتنی ضخیم نہیں ہے۔

شمار	نام کتاب	فن	کیفیت
۱۰	گلزار ہدایت	عقاید	
۱۱	ترجمہ حصن حصین	حدیث	
۱۲	حواشی بر مسلم	حدیث	
۱۳	فیض الکریم	تفسیر	یہ مکمل نہیں ہوئی تھی کہ مصنف کا انتقال ہو گیا

باقر آگاہ نے جس کام کو شروع کیا تھا اس کو قاضی بدر الدولہ نے پوری طرح ترقی دی اور نظم کے بجائے نثر میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا، چونکہ آپ کی زبان بلحاظ ارتقاء تدریجی زیادہ صاف تھی، اس لئے اب آگاہ کی جگہ آپ کی کتابوں نے لے لی، صوبۂ مدراس اور بمبئی میں آپ کی تصانیف کے کئی کئی ایڈیشن شائع ہوئے ہیں ۔

فواید بدریہ، سیرۃ النبی کی بہترین کتاب ہے ۱۲۶۸ھ میں اس کی تالیف ہوئی ہے اس کے دو باب ہیں، پہلے باب میں پیدائش سے وفات تک حالات درج ہیں، اور دوسرے باب میں صورت اور سیرت اخلاق و عادات کا ذکر کیا گیا ہے ۔

پہلے باب میں حلیہ واقعات بعثت و ہجرت کے سنین کے لحاظ سے بیان کئے گئے ہیں دوسرے باب میں شمائل کا ایسا بے مثل خلاصہ مرتب کیا ہے، جس سے زیادہ واضح اور بہتر ناممکن ہے، عربی الفاظ کے لئے نہایت موزوں و مناسب الفاظ لکھا اور پھر ایسا کہ پڑھنے والے کو مادری زبان کا لطف آئے، اور نامانوس الفاظ نہ معلوم ہوں، درحقیقت کامیاب کوشش ہے، اس امر کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ فی زمانہ بھی ایسی مستند اور مکمل کتاب معدودے ہی ہوں گے ۔

اس کتاب کا ایک جدید ایڈیشن حال ہی میں حیدرآباد سے شائع ہوا ہے، قاضی بدر الدولہ کی

دیگر ہندوستانی کتابیں بھی اسی طرح قابل قدر ہیں، شرح توشۂ فلاح مناسک میں ایک ایسی گراں قدر کتاب ہے کہ فارسی تو کجا عربی میں بھی ایسی کوئی کتاب نہیں ہے، ہشت گلزار میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مفصل سیرت لکھی گئی ہے، جو اپنی حیثیت سے اردو زبان کی تنہا کتاب ہے۔

قاضی بدرالدولہ نے زبان اردو کی جو خدمت انجام دی ہے وہ فراموش نہیں ہو سکتی اب تک ان کی تصانیف کا مروج رہنا خود اس امر کی دلیل ہے کہ ایک صدی کے بعد بھی وہ اسی طرح قابل قدر ہیں، قاضی صاحب کی عبارت کا نمونہ حسب ذیل ہے :۔

"آنکھیں حضرت کے بڑے تھے، اور آنکھوں میں سرخی تھی اور حدقہ بہت سیاہ تھا جب حضرت دیکھتے تو پورا دیکھتے اور آنکھیں نیچے کرتے، پیشانی مبارک کشادہ تھی، اور بھوں دونوں ملے ہوئے اور کنارہ دار تھے اور اس کے موے پورے تھے، بینی مبارک ہموار باریک اور بیچا بیچ بلند تھی، اور دہن شریف بلند تھا، دندان مبارک نہایت سفید روشن براق آبداری اور رونق کے ساتھ تھے"

آنحضرت صلعم کی بزم کا حال اس طرح قلم بند فرماتے ہیں :۔

"بعد عروہ صحابہ کو کوری آنکھ دیکھنے لگا کہ حضرت کے روبرو نہایت ادب سے بیٹھے ہیں اور کچھ کام فرمائے تو اس کو کرنے دوڑتے اور وضو کئے تو اس پانی کو پینے ایک پر ایک گرتے ہیں، اور بات پکار کر نہیں کرتے اور تعظیم سے حضرت کی طرف نظر جماتے ہیں"۔

ایک جنگ کے واقعات کو یوں تحریر فرمایا ہے :۔

"مسلمانان بھی اپنی فوج آراستہ کر کر ان کے مقابلہ میں گئے اس قدر جنگ ہوا آخر زید بن حارثہ نیزوں کے ماروں سے شہید ہوئے اور نشان کے تئیں جعفر بن ابی طالب لیکے جنگ پر مستعد ہوئے دونوں لشکر جب باہم خلط ہوئے جعفر گھوڑے پر سے اتر کر اس کے

طمانچے مار کے جنگ شروع کئے سیدھا ہاتھ اڑ گیا بائیں ہاتھ میں نشان لئے وہ بھی کٹ گیا تو چھاتی سے لگائی آخر شہید ہوئے۔"

مصنف مرحوم کی سب سے پہلی تصنیف ریاض النسواں ہے جس کو آپ نے ۱۲۷۴ھ میں تصنیف فرمایا جبکہ آپ کی عمر (۱۶) سال کی تھی یہ فقہ شافعی کی بہترین کتاب ہے جس میں عقائد و احکام طہارت و عبادت بشرح وبسط جمع کئے ہیں۔ اس کتاب نے جس قدر عام نفع پہنچایا ہے اس کا بیان نہیں ہو سکتا اور حقیقت یہ ہے کہ تمام ضروری مسائل عام فہم زبان میں بیان کر دئے گئے ہیں کہ جس کے سامنے پھر دوسری کتاب کی ضرورت باقی نہیں۔ "اپنی دیباچہ میں فرماتے ہیں۔

"کتابیں فقہ شافعی کے عربی زبان میں بہت تصنیف ہوئے ہیں لیکن عورتاں اور اکثر عوام الناس کے تئیں زبان عربی سے کچھ آشنائی نہ ہونے کے سبب سے ان کے حاصل کرنے سے قاصر رہتے ہیں اس واسطے یہ عاجز چند مسائل فقہ کے زبان ہندی میں جمع کیا تا لوگاں مستفید ہوویں۔"

اس کے بعد آپ نے مختلف باب میں اپنی کتاب کو تقسیم کیا ہے اور اس کو کتاب کا نام دیا ہے مثلاً کتاب الایمان۔ کتاب الطہارت کتاب الصلواۃ وغیرہ اور پھر ان میں فصل مقرر کئے ہیں جن میں مختلف مسائل کو بیان کیا ہے۔ مسائل کے بیان کا طریقہ یوں ہے۔

"اول رکن اسلام کا بعد از کلمہ توحید کے نماز ہے اور نماز بے طہارت کے درست نہیں اور طہارت پاک پانی سے کیا چاہیئے اور پانی مستعمل یعنی تھوڑا پانی جو ایک بار کسی فرض کام میں آیا ہے اگرچہ پاک ہے لیکن پاک کرنے والا نہیں ہے فرض کام کیسا مثلاً اس پانی سے غسل فرض یا وضو فرض کیا ہووے یا کوئی نجاست دور کیا ہووے۔"

آپ کی آخری تصنیف تفسیر فیض الکریم ہے جس کو آپ نے صرف سات پاروں تک ختم فرمایا تھا کہ ۱۳۰۷ ہجری[1] میں پیام اجل آپہنچا۔

نفس مضمون کے پہلے آپ نے نزول قرآن اور اس کے جمع کرنے اور تفسیر و تاویل پر بحث کی ہے اور پھر سورۂ فاتحہ کی تفسیر اور اس کی فضیلت بیان کی ہے۔ آپ کی تفسیر کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے قرآن کی آیت لکھتے ہیں اور اس کے معنے بیان کرنے کے بعد اس پر بحث کرتے جاتے ہیں۔ سحر کا حکم۔ کسب مباح۔ ربا۔ شفاعت۔ خدا رسول اور اولی الامر کی اطاعت۔ خلق آدم علی السورۃ۔ جہاد کرنے والے کا مرتبہ۔ اجماع امت۔ تحریف انجیل۔ ذبح وغیرہ عنوانات پر کافی بحث کی ہے۔ چونکہ مصنف کی یہ آخری تصنیف ہے اس لئے نمونہ اس کا بھی درج کرنا بے جا نہ ہوگا۔

"وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا۔ اور مضبوط پکڑو اللہ کی رسی سب مل کر۔ اللہ کی رسی سے مراد اللہ کا دین ہے یعنی دین اسلام کو اختیار کرو اس کو رسی سے تعبیر کیا کیونکہ باریک تنگ راہ میں گزرنا چاہیئے اور پیر پھسلنے کا اندیشہ ہو وہاں رسی جس کی دونوں طرف راہ کے دو جانب سے باندھے ہوں پکڑے تو اس کو خوف نہیں رہتا۔ حق کی راہ بھی بہت باریک تنگ ہے اکثر لوگوں کے پیر اس پر لغزش پاتے ہیں جس نے دین اسلام مضبوط پکڑا تو بڑے خوف سے نجات پایا بعضے کہتے ہیں اس سے مراد قرآن ہے کیونکہ جو اس کے احکام پہ چلے گا تو اس کو نجات ہوگی الخ

نزول آلہیاں کے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

---

[1] تاریخ النوائط۔

"اللہ تعالیٰ اترتا ہے کر کے جو آیا اس سے اللہ کی رحمت اور بندوں پر متوجہ ہوتا اور ان پر لطف اور مہربانی کرنا مراد ہے۔" لہ

اس مختصر بیان سے اس امر کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ قاضی بدرالدولہ کی وجہ سے زبان اردو نے مذہبی علوم کے دائرہ میں کہاں تک ترقی کی تھی۔

سیّد احمد

اس دور کے ایک صاحب قلم سیّد احمد بن سید درویش ہیں، ان کے متعلق ہمیں تفصیلی معلومات نہیں ہیں، صرف اس قدر پتہ چلتا ہے کہ یہ قاضی بدرالدّولہ کے شاگرد تھے۔ ان کی ایک تصنیف بوستان شہادت ہے، جو اپنی اندرونی شہادت کے لحاظ سے ۱۲۵۰ھ کے قبل تصنیف ہوئی ہے۔

بوستان شہادت مختصر کتاب ہے، چھ فصلوں میں حضرت امام حسین علیہ السّلام کی شہادت کا بیان کیا گیا ہے، سیّد احمد کو شاعری سے بھی شغف تھا اس کتاب میں ان کا ایک مرثیہ بھی شامل ہے۔ عبارت کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

"امام احمد اور بخاری اور ترمذی نے روایت کی ہے کہ کسی نے مچھر کو مارنے کا حکم عبداللہ بن عمر سے پوچھا تو عمر کے بیٹے نے اس سے کہا کہ تو کون سے قبیلے کا ہے وہ شخص جواب دیا کہ عراقیوں میں کا ہوں تب عبداللہ بن عمر حاضر تھے سو لوگوں میں کہے کہ دیکھو تو اس کو کہ مچھر کو مارنا یا نا مارنا دریافت کرتا ہے، حالانکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے کو شہید کئے۔" کہ

لہ قاضی بدرالدولہ کی تمام کتابیں شائع ہو گئی ہیں اور ریاض النسواں کے تو کئی کئی اڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ ابھی حال میں یہ دونوں کتابیں حیدرآباد سے شائع کی گئی ہیں۔

کہ بوستان شہادت کا ایک مخطوطہ دفتر دیوانی و مال سرکار آصفیہ کے کتب خانہ میں ہے۔

تبصرہ

تیرہویں صدی ہجری کی نظم و نثر کا نمونہ پیش ہو چکا ہے، اس زمانہ میں اگرچہ مثنوی کا رواج بہت کم ہو گیا تھا، مگر اس کے باوجود طویل مثنویاں بھی لکھی گئی ہیں۔ غزلوں کا بھی عام طور سے رواج تھا۔ اور ان میں تصوف کے ساتھ خیالی عشق و عاشقی گل و بلبل، اور شاہد و ساقی کا ذکر ہونے لگا۔

اس دور کے بعض شعرا کا کلام دہلی اور لکھنؤ کے شعرا کے رنگ میں نظر آتا ہے، کیونکہ شمالی ہند کے کئی اہل کمال یہاں آ گئے تھے، ان کا اثر پڑنا ناگزیر تھا۔ مگر بعض شعرا کا کلام قدیم دکھنی طرز پر بھی ہے، گو کہ اس میں کسی قدر صفائی آ گئی ہے۔

نواب اعظم کے زمانہ میں شاعری کو عروج حاصل ہوا، اس کے بعد چونکہ کوئی قدردان سخن باقی نہیں رہا اس لئے شعر و شاعری کا بازار سرد ہو گیا۔ مدراس کے شعرا یہاں سے ہجرت کرنے لگے، حیدرآباد چونکہ قریب تھا۔ اور یہاں اہل علم کی قدردانی ہو رہی تھی مختار الملک سالار جنگ حامیٔ علم اور صاحب فن دیوان قدردانی میں مصروف تھا، اس لئے کئی ایک ارباب علم اور صاحب ذوق حیدرآباد چلے آئے، ان وجوہ سے اس صدی کے آخر میں اردو شعر و شاعری پر اوس پڑھ گئی مدراس یونیورسٹی کے تحت انگریزی مدارس قائم ہو گئے، ہر طرف انگریزی کا دور دورہ ہو گیا۔ اردو کی جانب کسی کی توجہ باقی نہیں رہی۔

شمالی ہند میں دہلی کے ساتھ لکھنؤ میں اردو شاعری کی گرم بازاری تھی، غزلوں قصیدوں، اور مرثیوں کا زور تھا۔ مصحفی، انشا کے بعد ناسخ و آتش میدان میں اتر آئے تھے، دبیر و انیس کی مجلسیں گرم تھیں۔ دہلی میں شاہ نصیر، مومن، ذوق اور غالب کی نغمہ سنجی ہو رہی تھی، ان شعرا کا تقابل مدراس کے شعرا سے کیا جائے تو

اس امر کا اقرار کرنا ہوگا کہ مدراس کے شعرا بہت پیچھے رہ گئے تھے، ان میں نہ وہ صفائی ونازک خیالی تھی اور نہ تخیل کی بلند پروازی اور نکتہ سنجی غرضکہ ہر حیثیت سے مدراس کی شاعری پر زوال آچکا تھا ۔

اردو نثر کو بھی اعظم کے زمانے میں ترقی ہوئی، حدیث، سیر، فقہ، عقاید وغیرہ فنون کی بیسیوں کتابیں اردو زبان میں شائع ہوئیں، اور ضرورت اور مانگ کے لحاظ سے بعض کتابوں کے کئی کئی اڈیشن نکل آئے، اس زمانہ کی بعض کتابیں آج تک مروج اور بار بار شائع ہوتی ہیں جس سے ان کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے ۔ اگرچہ ارتقائے تدریجی کے لحاظ سے اس دور کی کتابیں دور ماسبق سے صاف اور آسان تھیں مگر اس صدی کے آخر نظم کی طرح نثر کی جانب سے بھی توجہ ہٹ گئی، جب لوگوں کا رجحان اور عام طور سے مانگ نہیں رہی تو اردو میں تالیف و تصنیف بھی بند ہوگئی ۔

چوتھا باب

سنہ ۱۳۰۰ھ تا سنہ ۱۳۵۷ھ

نظم

اب ہم چودھویں صدی ہجری کے شعرا اور نثاروں کو پیش کرتے ہیں۔ اگرچہ نواب غلام محمد غوث خان کے بعد شعر و سخن کا بازار سرد ہوگیا تھا، علم کے جاننے والے دنیا سے اٹھ گئے تھے، شعرا کا بڑا حصہ مدراس کو خیر باد کہہ کر حیدر آباد فرخندہ بنیاد چلا گیا مثلاً حبیب اللہ ذکا۔ عبدالعلی والا۔ عارف الدین رونق، واصف، راقم وغیرہ مگر پھر بھی جو شمع مدراس میں روشن ہوگئی تھی وہ بالکل گل نہیں ہوگئی، علم کے جاننے والے معدوم نہیں ہوگئے چنانچہ اس چودھویں صدی میں بھی کئی شعرا نامور موجود ہیں مثلاً شاطر۔ ایمان۔ پرتو۔ گوہر۔ اختر۔ بیخود۔ عباس، شاکر وغیرہ۔

اور پھر آج کل جو علمی سرگرمی پھیلی ہوئی ہے، اور اُردو کی ترویج کی جو کوشش ہو رہی ہے وہ قابل مبارک باد ہے، اردو رسالوں میں اہل مدراس کا جو کلام شائع ہو رہا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ احاطہ مدراس میں بھی اردو زبان کے اچھے اچھے شعرا موجود ہیں۔

اب ہم بعض شعرا کا تعارف کراتے ہیں۔ اور ان کا کلام پیش کرتے ہیں، مگر اس امر کا خیال رہے کہ صوبہ مدراس کے صرف یہی شعرا نہیں ہیں۔ چونکہ ہم کو صرف

زبان کی ترقی تباقی منظور ہے، اس لئے بطور نمونہ چند شعرا کو پیش کیا جا رہا ہے ۔ ورنہ شعرا کا تذکرہ مرتب کیا جائے تو ہمارے مختصر صفحات کافی نہیں ہو سکتے ۔

شاطر

دور حاضرہ میں احاطہ مدراس کے مشہور شعرا میں سب سے پہلے شمس العلماء نواب عبدالرحمٰن خان بہادر شاطر کا نام لینا ضروری ہے، جو اپنے کلام کے باعث ہندوستان کی علمی دنیا میں مشہور ہیں ۔

شاطر خاندان والاجاہی سے تعلق رکھتے ہیں، آپ کے والد خان بہادر نواب عبدالغنی خان، والاجاہ کے پوتے ہوتے تھے، عبدالغنی خان مرحوم فارسی کے زبردست شاعر تھے، اور آپ کے کئی فرزند اس وقت صوبہ مدراس کے نامور شعراء ہیں مثلاً شاطر، گوہر، اختر ۔

شاطر رؤسا ارکاٹ کے ممتاز رکن ہیں پرنس آف ارکاٹ نواب سر محمد علی خان بہادر کے ایجنٹ اور گورنمنٹ انگریزی کے سرکاری مترجم فارسی بھی ہیں، آپ کی علمی قابلیت اور خاندانی اعزاز کے مد نظر ۱۹۲۰ء میں آپ کو شمس العلماء کا خطاب ملا ہے ۔

شاطر فطری شاعر ہیں، کسی سے آپ کو تلمذ حاصل نہیں ہے آپ کے کئی تصانیف شائع ہو چکے ہیں جن کے نام درج کئے جاتے ہیں ۔ (۱) اعجاز عشق، (۲) ضمیمہ اعجاز عشق (۳) گلدستہ شاطر (۴) احسان عشق (۵) ضمیمہ احسان عشق، (۶) چار جوہر ۔

ان کے علاوہ تزک والاجاہی کے ایک حصہ کا اردو ترجمہ بھی آپ نے فرمایا ہے "اعجاز عشق" آپ کا مشہور و معروف قصیدہ ہے، یہ مدراس اور میسور یونیورسٹی کے بی اے کے نصاب میں شامل ہے، گلدستہ عشق میں غزلیں اور قصائد ہیں، احسان عشق

رباعیات کا مجموعہ ہے،

اہل مدراس نے آپ کو "لسان الحکمت" کا خطاب دیا ہے اور شمالی ہند کے مشاہیر آپ کے بلند پایہ کلام کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔

بہرحال آپ صوبہ مدراس کے ایک ممتاز شاعر ہیں کلام کا نمونہ پیش ہے۔

بے محل اٹھتا نہیں ہے ایک بھی تیرا قدم — کوئی ہے تجھ پر سوار اے ابلق لیل و نہار

جوہر فرد آئینہ نادانی انسان کا ہے — دو جانب ہیں برابر کے دلائل بے شمار

حرکت قسری ہے بیشک ذات فاسد ہر دو ایل — گیند اچھالے ہیں یہاں دست قضا نے بے شمار

ہم خدائی کرتے ہیں تیری بدولت اے خدا — ایک کن سے ہوتے ہیں عالم ہزاروں آشکار

قبلۂ دل عشق ہے اور کعبۂ جاں عشق ہے — ہم اسی کو سجدہ کرتے ہیں نہان و آشکار

ہم کبھی کرتے تھے رم صیاد اب تو رام ہیں — خود چلا آتا ہے لے ڈالے ہوئے گردن میں تار

دل وہ مقناطیس ہے زائل ہو جس کی کشش — زلزلے گو جسم کے کشور میں آئیں بے شمار

ہو نہ ہو کافور پیری ہے دلیل مرگ دل — سرد آخر ہو گئی جو آگ تھی دل زندہ دار

خفتہ بختوں کو کہیں آتی ہے نیند اے آسماں — دل کے بہلانے کو ہے خواب عدم کا انتظار

مر چکیں ساری تمنائیں بجز ارمان مرگ — ایک بسمل فوج حرماں سے ہے گرم کارزار

ایک دل اور سینکڑوں ہیں تازہ کس کس کو سنبھالے — ہم نے اسی آذر کیا دین حنیف اختیار

دکھ بھی ہے اور سکھ بھی ہے یاں آس بھی ہے یاس بھی — منعم و مفلس برابر کے ہیں دونو حصہ دار

قوت بازو سے سال پر عمل سے کام لے — علم کا دریا ہے طوفان خیز و ناپیدا کنار

مر رہے ہیں سب تمنائیں بقائے نام کی — فانیوں کو کیا غرض ہے تجھ سے اے لوح مزار

باغ سے جاتے ہیں ہم اچھا تو ہیں اے باغباں — کچھ گریباں گیر ہیں اور کچھ ہیں دامن گیر خار

انجمن میں ہم ہیں لیکن انجمن دل میں نہیں ۔ زیب خلوت خانۂ دل ہے فقط تصویر یار[۱]

ہوا''

او صداقت جلی سے تیرے آگاہ ہیں سب ۔ تو رحمت عام حق ہے تو نعمت رب
ہے تیرے لطیف جسم میں جان کی شان ۔ اور جان ہے تو رِ عقل کل کا مرکب
احسان ترا کس تنفس پہ نہیں ۔ روشن ہے چراغ زندگی تیرے سبب
صحت کے لئے جو دم کشی کرتا ہے ۔ میدان کو مانتا ہے عیسیٰ کا مطب
آتا ہے زمیں پر خلیفہ بن کر ۔ آدم کو پڑھا دیتی ہے کل اسما جب
اے ناصر سلطان رسل حامی ہود ۔ خوشنودی انبیا ہے خوشنودی رب
یعقوب تجھے خوش کہ لائی تو بوئے حبیب ۔ تجھ سے شاد سلیماں کہ نبی تو مرکب
تیرا ہدہد تھا کیا مبارک قاصد ۔ جھکا دیا بلقیس کا جس نے کوکب
عالم کی حقیقت کو دکھاتی ہے تو ۔ ورنہ تجھے کیا سراب سے ہے مطلب
پانی پہ جہازوں کو تراتی ہے تو ۔ وہ ہیں اقوام کی ترقی کا سبب[۲]

پرتو

رؤف احمد پرتو بھی اسی دور کے شاعر ہیں، اہل مدراس نے آپ کو رئیس الشعرا کا خطاب دیا ہے، اب تک آپ کے تین ضخیم دیوان شائع ہو چکے ہیں۔

آنسو کو سوز ہجر نے اخگر بنا دیا ۔ ہر ایک آنکھ کو میری مجمر بنا دیا
جلوے نے تیرے ہر صنم رشک ماہ کو ۔ اے مہر حسن بزم میں پتھر بنا دیا
پرتو کہوں میں کیا لب و دندان یار کی ۔ صانع نے اس کو لعل سے گوہر بنا دیا
پہلو سے میرے تنگ جو ہو کر یہ دل گیا ۔ نام آبروئے عشق کا مٹی میں مل گیا

---

۱ اعجاز عشق ۔ ۲ چار جوہر

وہ گل جو کھل کھلا کے ہنسا باغ میں صبا — دل کی طرح چمن میں ہر یک غنچہ کھل گیا
کس شوق ماہرو سے مقابل ہوا فلک — سورج جو آج جانب مغرب تحلیل گیا
مجھ بے گنہ کے قتل سے حاصل ہوا نہ کچھ — مقتل سے قاتل آج بہت منفعل گیا[1]

بادشاہ خطیب قادر بادشاہ مرحوم المتخلص بہ بادشاہ، آپ کا وطن وانمباڑی علاقہ مدراس تھا ۱۳۴۳ھ میں انتقال ہوا، نواب سرامین جنگ بہادر سابق صدر المہام پیشی حضور نظام کے آپ بڑے بھائی تھے، دیوان شائع ہو چکا ہے، کلام کا نمونہ پیش ہے۔

اے خالق عرش و ارض افلاک — جہت اور مکان سے ہے تو پاک
نزدیک نہیں ہے عرش سے تو — دوری نہیں اس زمیں سے تجھ کو
تری توحید و یکتائی الٰہی تجھ کو شایاں ہے
تری توصیف کا ہم کو نہ یارا ہے نہ امکاں ہے
تو واجب ہے اور ہم ممکن تو باقی اور ہم فانی
مبرا تو ہے سب عیبوں سے ہم میں عیب و نقصاں ہے
عجب غفلت تمہاری ہے عجب دنیا پرستی ہے
ہماری زندگی وہ ہے کہ جس پر موت ہنستی ہے

دین کی الفت گھٹی دنیا کا غلبہ ہو گیا — آہ حال قوم کیا آگے تھا اب کیا ہو گیا
تھی فقط نا اتفاقی مدتوں سے قوم میں — جب تعصب آیا سونے پر سہاگہ ہو گیا
فقط کام آئیں گے اعمال اپنے — بجز اس کے لیے مہرباں کچھ نہیں ساتھ

---

[1] دیوان پر تو مطبوعہ

ایمان

تحمل حسین خان نام اور ایمان تخلص، اہل مدراس نے آپ کو سراج العلماء کا خطاب دیا ہے ۱۲۷۷ھ میں آپ کی پیدائش گوپامو (اودھ) میں ہوئی، آپ کے رشتہ دار حیدرآباد اور مدراس میں متوطن ہوگئے تھے اس لئے صغیر سنی میں جبکہ آپ کے والد کا انتقال ہوگیا تھا تو آپ اپنی والدہ کے ساتھ حیدرآباد آئے، محسن الملک مرحوم کی ترغیب پر حیدرآباد کے مڈیکل کالج میں شریک ہوئے ڈاکٹر ونڈرواس زمانہ میں پرنسپل تھے، چند ماہ کے بعد اپنے چچا نواب رفعت الملک بہادر داماد نواب عظیم جاہ پرنس آف ارکاٹ سے ملنے مدراس گئے اور یہاں ہی کے ہو رہے، انتظام الملک پرنس آف ارکاٹ کی دختر سے آپ کا بیاہ ہوا، اور موجودہ پرنس نواب سر محمد علی خان بہادر آپ کے داماد ہیں۔

شاعری میں آپ کو سید ضامن علی جلال لکھنوی سے تلمذ حاصل ہے اولاً خطوط کے ذریعہ آپ اپنا کلام ارسال کرتے تھے، اس کے بعد لکھنو جاکر ملاقات کا شرف بھی حاصل کیا ۱۳۲۳ھ سے آپ نے عہد کرلیا ہے کہ نعت کے سوا اور کچھ نہ لکھیں گے سرکار نظام سے آپ کو ماہوار منصب بھی جاری ہے، کلام کا نمونہ پیش ہے

اگر مرمٹ کے میں کوئے نبی میں خاک ہوجاتا
رہائی غم سے پاتی روح قصہ پاک ہوجاتا
جواہر معرفت کے لے نکلتا غوطہ زن ہوکر
تو بحر عشق احمد کا اگر پیراک ہوجاتا

روشنی ایمان کی جب دل میں ذراسی آگئی
مٹ گئی باطل کی ظلمت حق شناسی آگئی
دھاک اصحاب نبی کی بدر میں ایسی بیٹھی
پہنچی اعدا پر جبریل بھی جوش سی آگئی۔

کر لیا ایمان جب شرعِ نبی کا اتباع
حق پسندی حق پرستی حق شناسی آ گئی

وہ تو جھلک دکھا کے پسِ پردہ ہٹ گئے
ہم بیخودی میں دوڑ کے پٹ سے لپٹ گئے

اک غیر تھے کہ ٹل گئے مقتل سے ہٹ گئے
اک وہ بھی سرفروش تھے جو بڑھ کے کٹ گئے

کچھ تو ادائیں لے گئیں کچھ ان کی شوخیاں
ٹکڑے ہمارے دل کے سب آپس میں بٹ گئے

تھے ملتجی مزید عنایت کے ان سے ہم
کچھ گالیاں تو بڑھ کے ملیں بوسے گھٹ گئے

گردشِ چشم دکھا جام شراب آنے دے — مجھ تک اس دور میں ساقی مئے ناب آنے دے
عشق میں کچھ دلِ خانہ خراب آنے دے — صبر آنے دے قرار آنے دے تاب آنے دے
شوخیاں کوٹ کے بھر دیگی جوانی کی امنگ — ان کا لے دل ابھی کیا سن ہے شباب آنے دے
کہتی ہے ان کی ادا سے یہ قضا وقتِ خرام — تو بھی چل مجھ کو بھی ہمراہِ رکاب آنے دے
ماجرا شب کے تڑپنے کا نہ پوچھو ہم سے — خواب میں آئے تو کیوں کر کوئی خواب آنے دے
ہائے ان کا وہ شبِ وصل سمٹ کر کہنا — ہاتھ اپنا نہ ادھر خانہ خراب آنے دے

گوہر

منور خان نام گوہر تخلص خاندان انوری کے ایک فرد ہیں کئی کتابوں کے [illegible] ہیں شاعری سے بڑا شغف ہے اہل مدراس نے امیر شعرا سے آپ کو ملقب کیا [illegible] مرحوم اعلیٰ حضرت حضور نظام کی چہل سالہ جوبلی ۱۳۲۴ھ میں ایک قصیدہ لکھا تھا

اس کے بعض شعر بطور نمونہ کلام پیش ہیں۔

رات کو خواب میں دیکھا عجب اک رشک قمر
کہ نظیر اس کا کہیں آج تک آیا نہ نظر

جلوہ حسن میں وہ نور کا عالم پایا
کہ نظر میں نہ رہا جلوۂ خورشید و قمر

رخ روشن میں قیامت کی تجلی دیکھی
ایسا پرنور فلک پر نہیں کوئی اختر

گورا رنگ ایسا تھا اس نازبھری صورت کا
صدقے سو جان سے ہو جس پہ سفیدی سحر

جسم نازک کا تو سانچا تھا کہ قد دلکش
علم فتنہ تھا یا باغ نزاکت کا شجر

تھی عجب ہوش ربا وہ روش مستانہ
صبر پر بس نہیں چلتا تھا نہ قابو دل پر

الغرض میں نے یہ اس جان جہاں سے پوچھا
نام کیا ہے ترا تو کون ہے اے رشک قمر

ہنس دیا اس نے مسکرا کے جبکہ یہ تقریر مری
پھر کہا ہوش میں آ عقل گئی تیری کدھر

شاہ کی سالگرہ کی ہوں مبارک تصویر
دھوم جس جشن کی عالم میں ہے اب شام و سحر

اسی طرح موجودہ حضور نظام کے مدراس آنے پر ۱۹۲۹ء میں جو نظم پیش کی تھی اس کے چند شعر حسب ذیل ہیں۔

فخر شاہانہ زمن خسرو برتر ہے یہی
شاہ عثمان دکن سایۂ داور ہے یہی

شہر مدراس ہے انوار سے اس کے روشن
حیدرآباد کا خورشید منور ہے یہی

لائے تشریف یہاں حضرت سلطان دکن
تذکرہ صوبۂ مدراس میں گھر گھر ہے یہی

ہند میں آصف ہفتم کا نہیں ہے ثانی
روسا کہتے ہیں ہر ایک سے برتر ہے یہی

سامنے بحر کے نہروں کی حقیقت کیا ہے
نہریں جملہ روسا اور سمندر ہے یہی

شاہ کے ساغر دل میں ہے مے عشق رسول
جام جم جس سے ہے پنہاں ہے وہ ساغر ہے یہی

جس کا مداح ہے گوہر وہ یہی آصف ہیں
جس کو حضرت نے نوازا ہے وہ گوہر ہے یہی

رسالہ سعد نامہ مدراس اپریل ۱۹۲۹ء

عباس مولوی مرزا غلام عباس علی صاحب المتخلص بہ عباس، آپ کے اجداد شیراز کے رہنے والے تھے آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے ہندوستان آکر میسور کے علاقہ میں مقیم ہوئے، چک بالاپوران کی جاگیر تھی۔

مرزا غلام عباس علی کی پیدائش ۱۳۰۲ھ میں مدراس میں ہوئی کالج کی تعلیم کے علاوہ عربی اور فارسی کی تعلیم علماء وقت سے حاصل کی، مدرسہ اعظم میں پروفیسر رہنے کے علاوہ [illegible] حیثیت سے مہتمم تعلیمات بھی رہے ہیں۔

شاعری میں آپ کو حکیم سید ضامن جلال لکھنوی سے تلمذ حاصل ہے، صاحب تصنیف ہیں لائف آف حسین ایک انگریزی تصنیف ہے، اردو میں دیوان کے علاوہ "پرورش اطفال" ایک کتاب بھی شائع ہوئی ہے، بہارستان دوسری کتاب ہے، "ثمرۃ الفواد" کو بھی آپ نے ترمیم کے بعد شائع کیا ہے۔

کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے۔

تمہارا رتبہ اعلیٰ ہے کہاں اور کس کی نسبت ہے
فنا کیسی بقا کیسی کہ تم نور خدا [illegible]
وہ دل دے، جس میں ہو تیری محبت کی تڑپ دائم
وہ نالہ دے مجھے [illegible]

عاشق کو دھیان رہتا ہے کس کے جمال کا — نادان ہیں کر رہے ہیں تقاضا جو دل کا
چھو جائیں ہاتھ ان کے کہاں آگے نصیب — [illegible] ابھی ہے میرے تو نہال کا
جوبن ترا اٹھان ابھی تو سانچے میں ڈھل گیا — کیسا اندال ہے یہ کرشمہ کمال کا

لے یہ نظم آل انڈیا مشاعرہ منعقدہ حیدرآباد میں سنائی گئی ہے۔

بکھرا کے زلف کہتے ہیں عاشق کی قبر پہ — مرقد بھی نہیں ہے اس آشفتہ حال کا
ہاں یا نہیں کہو کہ تسلی نصیب ہو — آخر خلاصہ کچھ تو ہو اس قیل و قال کا
عباس مست ہوں میں محمد کے عشق میں — پیرو بنائے حق مجھے قرآن و آل کا

ایک نظم کا نمونہ ملاحظہ ہو جو مدرسہ اعظم اور اس کے بانی کے متعلق لکھی گئی ہے۔

یہ مدرسہ ہے ہمارا ہرا بھرا گلشن — ہے جس پہ فضل الٰہی ہمیشہ سایہ فگن
جہاں کے بربط و نے گن اسی کے گاتے ہیں — ترانا اسی کی سناتا ہے کوک کر ارگن
مہک گلوں کی معطر کن مشام فلک — ہے بلبلوں کی چہک مشتری پہ چشمک زن
یہ کیوں نہ ہو کہ بنا اس کی ڈالنے والا — غلام غوث سا نواب ہے جہاں مسکن
یہاں کا اک گل نورس رئیس کرناٹک — ہیں رنگ و بو پہ فدا جس کے طائر آن چمن
ہے نام نامی سے روشن کہ ہیں زمانہ میں — محمد اور علی سر پہ تیرے سایہ فگن
ملا ہے تجھ کو عجب حسن معنی و صورت — دماغ فیضی و بوالفضل اکبری چتون
یہیں کے نور سے کوئی منیر عالم ہے — اسی کے جود سے کوئی بنا جو آدزمن
خلیلی اور کرامت نے بنکے آئی سی ایس — جہاں میں مدرسہ کا نام کر دیا روشن
اسی فلک کے ہیں اختر یہ گو ہر و شاطر — کہ جن کا گھر ہے بنا علم و فضل کا مخزن
اسی کے فیض سے بنکر کسی نے قاضی شہر — بنایا عامیوں کو راز دان سر و علن
اسی کی گود میں پلکر محمڈن کالج — دکھا رہا ہے بہار شباب کے جوبن
فضائے مدرسہ کا ذرہ ذرہ کہتا ہے — کہ تا ابد رہے آباد یہ ہمارا سوسیٹین

شاکر | ابو صالح محمد غضنفر حسین نام اور شاکر تخلص، اہل نوائط سے تعلق رکھتے ہیں۔ ارکاٹ آپ کا وطن ہے، جامعہ اسلامیہ عمر آباد میں پروفیسر ہیں،

اُردو کی ترقی کے لئے بڑی جدوجہد کر رہے ہیں، رسالہ مصحف آپ کی ادارت میں شائع ہوا کرتا ہے یہ رسالہ اپنے ظاہری اور باطنی خوبیوں کے لحاظ سے شمالی ہند کے منتخب پرچوں سے کم نہیں ہوتا۔ نمونہ کلام درج کیا جاتا ہے۔

رسوائیوں کی راہ پہ دل لے چلا ہمیں — دامانِ صبر قبضہ دستِ جنوں میں ہے

جب تک مرا وجود اسیرِ قیود تھا — میں جاہلِ حقیقت و سرِ وجود تھا

جب تک کھلی نہ تھی دلِ وابستہ کی گرہ — بندِ نقابِ حسنِ ازل ناکشود تھا

پردے حریمِ ناز کے پردے تھے آنکھ کے — یعنی حجابِ دیدۂ خود اپنا وجود تھا

بے مایہ نہ کر یا رب سرمایۂ ایماں دے — مجھ بے سروساماں کو فکرِ سروساماں دے

دنیا کی تمنائیں ہیں وجہ پریشانی — شاکر ہوں ترا یا رب اپنا ہی اک ارماں دے

بیخود | محمد انصرالدین نام اور بیخود تخلص، مدراس کے رہنے والے ہیں، جلال لکھنوی سے تلمذ تھا، سفینہ مدراس میں آپ کا کلام شائع ہوا کرتا تھا۔

مجھے بھی دے کوئی مست شراب جام شراب
کہ ہے غذا مری سیخ کباب جام شراب

جو عکس رخ سے ترے پائے آب جام شراب
بنے چمک کے نہ کیوں آفتاب جام شراب

غریق بحرِ مئے عشق یا رہوں ساقی
مری نگاہ میں ہے ہر حباب جام شراب

جہاں کے میکدہ میں آئے تھے پیرِ مغاں
پیے ازل میں تو تھے بے حساب جام شراب

نظمی محمد ابو بکر نام اور نظمی تخلص، مدراس وطن ہے، ۱۳۱۱ھ میں تولد ہوئے ابتدائی تعلیم پرائمری اسکول میں ہوئی، یونیورسٹی کے نصاب کے بجائے اسلامی اور دینی علوم کی تحصیل کا شوق ہوا، مدرسہ محمدی میں شریک ہوکر فارغ التحصیل ہوئے دستار فضیلت باندھی، مولانا محمود مرحوم اور شمس العلماء قاضی عبید اللہ مرحوم وغیرہم کے فیض علم سے مستفید ہیں۔

شاعری میں اوّل مولوی یوسف علی خان گوپاموی کی شاگردی کی ان کے انتقال کے بعد مولانا محمد حسین صاحب محوی سے تلمذ ہے، ”جلوہ سخن“ میں آپ کا کلام شائع ہوا کرتا تھا کلام کا نمونہ پیش ہے۔

جلوۂ یار تو ہے طالب یکسو بینی　　یہ پریشان نظری دیکھ نظر باز نہ ہو
ساز مطرب میں بھی ہے سوز طرب سوز نہاں　　بر سر نغمہ کوئی رقص بر آواز نہ ہو
درد دل ساتھ اگر دے نہ سکے فرقت میں　　ہائے کیا سوز جگر بھی مرا دمساز نہ ہو
گو میری شیفتگی میں بھی ہے کچھ رسوائی　　تیرا غمزہ کوئی ایسا ہے جو غماز نہ ہو

ہیں داغ سوز عشق دل داغدار میں　　یا آگ لگ گئی ہے کسی لالہ زار میں
اے ظلمت فراق یہ اندھیر یہ غضب　　کچھ فرق ہی نہیں میرے لیل و نہار میں
صیاد جی قفس میں لگے اس کا کس طرح　　ہر شاخ گل ہو جس کا نشیمن بہار میں
ہوگا وہاں بھی حسرت و ارماں کا اک ہجوم　　کیونکر فرشتے آئیں گے میرے مزار میں
کچھ اس ادا سے آپ نے کیں لن ترانیاں　　بیتاب اور طالب دیدار ہو گیا
یہ شان یوسفی ہے عجب حسن دوست کی　　سارا جہان مصر کا بازار ہو گیا

رازی عبد الرؤف نام اور رازی تخلص، آمبور وطن ہے ”مصحف“ میں آپ کا کلام شائع ہوا کرتا ہے۔

کیا کہوں کس سے کہوں کیونکر کہوں
مہر لب پر بے قراری دل میں ہے

دل کو سجدہ کر رہا ہوں رات دن
یار کی تصویر میرے دل میں ہے

کیا کہیں راتری جہاں سے چل بسا
شور ماتم یار کی محفل میں ہے

فہیم — مولانا فہیم آبور علاقہ مدراس آپ کا وطن ہے زمرہ تجار میں عمائدین سے ہیں، تجارتی امور کے ساتھ ساتھ صاحب ذوق بھی ہیں خواجہ عشرت لکھنوی سے تلمذ حاصل ہے، رسالہ مصحف کے سرپرست ہیں۔

ایک حاجی کی زبانی یہ سنی ہم نے خبر
جس نے اس سال کیا تھا ابھی مکے کا سفر

واقعہ موسم حج کا ہے بہت عبرت خیز
ہے جو تصدیق سے لبریز سراپا یہ خبر

راہی ملک عدم ہو گئی انا للہ
یعنی سلطان کی اک دختر فرخندہ سیر

نہ وہ ماتم کدہ تھا اور نہ وہ چیخ پکار
ہندوالوں میں جو ہم دیکھ رہے ہیں اکثر

ہو کے تدفین سے فارغ مع احباب حضور
واپس آئے در دولت پہ جو با دیدۂ تر

ابھی دو چار گھڑی بھی نہ گزرنے پائی
عرض کی آپ نے داماد سے یہ خوش ہو کر

کس کو ہے مرضی مولیٰ میں بھلا چائے سخن
موت کے سامنے مجبور ہے ہر ایک بشر

عقد ثانی کیا داماد کی منظوری پر
اپنی اک دختر ثانی سے جو تھی نور بصر

روحی — محمد عزیز الدین روحی تخلص آمبور وطن ہے، مصحف میں کلام شائع ہوا کرتا ہے

میں عاشق صادق ہوں راضی بہ رضا ہوں میں
اب چشم نوازش ہو یا نازش بے جا ہو

دیوانہ الفت کو دونوں ہی برابر ہیں
وہ گوشہ زنداں میں یا دامن صحرا ہو

پالا ہوا نازوں کا یہ دل ہے نہ توڑ اس کو

افلاک پہ نالوں کا ہنگامہ نہ برپا ہو

نیاز عزیز احمد المتخلص بہ نیاز وانمباڑی آپ کا وطن ہے مصحف میں آپ کا کلام شائع ہوا کرتا ہے۔

شکست گل کی آوازوں نے دل لرزا دیا میرا

اٹھا ہوں داغ لے کر آج میں پھولوں کی محفل سے

یہ کیا درد تھا مطرب ترے بربط کے تاروں میں

کہ بنکر آہ نکلی ہر صدا ٹوٹے ہوئے دل سے

نیاؔز زار کی آنکھوں میں آنسو کیوں نہ بھر آئیں

صدا اب درد کی آنے لگی ہے ساز محفل سے

قدسی ابوتراب محمد عبد الحلیم نام قدسی تخلص، علاقہ مدراس کے متوطن ہیں مصحف میں کلام شائع ہوا کرتا ہے۔

نالوں میں دعاؤں میں نا تیر نظر آئی — تدبیر کے پردے میں تقدیر نظر آئی

اس بزم سے رو کر جب اٹھے تو یہی دیکھا — بہتے ہوئے دریا کی تصویر نظر آئی

رحمت کی فراوانی دیکھی جو سر محشر — اس وقت خطاؤں میں تقصیر نظر آئی

رشید سید عبد الرشید نام رشید تخلص کشن گری ضلع سلیم علاقہ مدراس کے رہنے والے ہیں، جلوہ سخن میں آپ کی طرحی غزلیں شائع ہوتی تھیں۔

دل اب اسیر گیسوئے خمدار ہو گیا — یارب میں کس بلا میں گرفتار ہو گیا

سوز غم فراق ہے ناقابل بیاں — جل جائے گی زبان گر اظہار ہو گیا

اب ہجر یار میں مجھے جینا وبال ہے مرنا بھی انتظار میں دشوار ہو گیا

خاطر سید شاہ نظام الدین المتخلص بہ خاطر ترپاتور آپ کا مسکن ہے جلوۂ سخن میں کلام شائع ہوتا تھا۔

پروانے پر ستم وہ کیا شمع بزم نے بیچارہ جان دینے کو تیار ہو گیا
خاطر کو عشق یار نے بدمست کر دیا وہ بے پیئے بھی بزم میں سرشار ہو گیا

فیاض قاضی عبدالقادر صاحب فیاض تخلص، بلگوڑی علاقہ مدراس آپ کا وطن تھا جلوۂ سخن کے بزم میں آپ کا کلام بھی آتا تھا۔

منصور ذوق عشق حقیقی سے مست تھا
افسوس دار کا وہ سزاوار ہو گیا

دل خواہشات نفس کے زندان میں ہے اسیر
یارب میں کس بلا میں گرفتار ہو گیا

فیاض کو تھی عشق میں اس درجہ بے خودی
بت کو خدا سمجھ کے پرستار ہو گیا

برق منشی احمد حسین نام برق تخلص، مدراس وطن ہے، رسالہ آئینہ ادب حیدرآباد میں آپ کا کلام شائع ہوا کرتا تھا، حضرت جلیل سے آپ کو تلمذ حاصل ہے۔

جس روز سے اک حور شمائل سے لگی ہے یہ آنکھ میری راتوں میں مشکل سے لگی ہے
زینت کی کوئی چیز نہیں ہے جو وہ تلوار مہندی کی طرح کیوں کف قاتل سے لگی ہے
گو موج نے دھویا ہے بہت اس کو شب و روز کچھ گرد ابھی دامن ساحل سے لگی ہے
نامہ بر کو بھیج کر واں کی خبر کے واسطے در سے اب آنکھیں لگی ہیں نامہ بر کے واسطے

برق اب موسیٰ لڑائیں گے نہ خوش چشموں سے آنکھ　　تجربہ حاصل ہوا ایں عمر بھر کے واسطے[1]

نثر

نظم کے بعد ہم نثر کو پیش کرتے ہیں مگر بعض علماء مدراس کی نثر میں گزشتہ صدی کے مقابل کوئی بین ترقی نہیں معلوم ہوتی۔ ان کے تصانیف کی زبان قدیم اردو یا دکھنی کے قریب ہے لیکن ان کے سوا دیگر نثر نگار ہر طرح قابل ستائش ہیں، ان کی اردو کسی طرح شمالی ہند کی اردو سے کم نہیں ہے۔

اولاً بعض علماء کا ذکر کیا جاتا ہے اور ان کی نثر کا نمونہ دیا جاتا ہے۔

مولوی محمود مرحوم

مولوی محمود مرحوم قاضی بدرالدولہ کے فرزند تھے ۱۲۷۶ھ میں بمقام مدراس تولد ہوئے اور ۱۳۴۵ھ میں انتقال ہوا، مسجد والاجاہی میں مدفون ہیں۔

مولانا محمود مرحوم ایک عالم متبحر اور فاضلِ وقت تھے، حدیث، فقہ، تفسیر وغیرہ علوم کے علاوہ ہیئت میں بھی اچھی مہارت تھی اپنے باپ اور دادا کی طرح اس فن سے ان کو خاصی دلچسپی تھی مولانا کی ہیئت دانی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حیدرآباد کی مکہ مسجد میں وقتِ زوال معلوم کرنے کا آلہ آپ ہی نے نصب کیا۔

مولانا صاحبِ تصنیف تھے اردو زبان میں کئی کتابیں شائع فرمائیں جو حدیث، ہیئت وغیرہ فنون پر مشتمل ہیں۔

آپ کی نثر کا نمونہ حسب ذیل ہے:

"معلمان قطب نما کے دائرہ کو بتیس حصے کرتے ہیں، ہر حصہ کو خن کہتے ہیں، آٹھ خن کا

---

[1] رسالہ آئینۂ ادب۔

ایک مربع دائرہ ہوتا ہے، ربع دائرہ کو نو حصے کر کے ہر حصہ کو درجہ کہتے ہیں، ان خنوں کے نقطوں کے مقابل جو ستارہ طلوع ہوتا ہے یا غروب ہوتا ہے اس خن کو اس ستارہ کا مطلع یا مغیب کر کے نام رکھتے ہیں، وے سولہ ستارے ہیں، ان کے سولہ مطلع اور سولہ مغیب ہوئے۔

مدراس کا قبلہ مغیب ثریا کے داہنے طرف تھوڑا میل رکھتا ہے، خط مغرب سے اس کی شمالی جہت کی طرف ساڑھے تیرہ درجہ کے نقطہ پر ہے، اور بمبئی کا قبلہ خط مغرب پر ہے لیکن اس کے شمالی جہت کی طرف تھوڑا میل رکھتا ہے، اور عدن کا قبلہ مغیب نعش پر ہے مگر تھوڑا داہنے طرف میل کرتا ۔"

شمس العلماء قاضی عبید اللہ

شمس العلماء قاضی عبید اللہ مرحوم بھی قاضی بدر الدولہ کے فرزند تھے ۱۲۷۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۴۶ھ میں انتقال ہوا۔ مسجد والاجاہی میں مدفون ہیں۔

قاضی عبید اللہ مرحوم بھی ایک زبردست عالم اور علوم دینی کے بڑے ماہر تھے گورنمنٹ مدراس نے آپ کی قابلیت اور خاندانی اعزاز کے لحاظ سے شمس العلماء کے خطاب کے ساتھ صوبہ مدراس کا قاضی مقرر کیا تھا اور ایک جاگیر بھی مرحمت فرمائی تھی۔

آپ کے کئی اردو تصانیف ہیں جو حدیث، سیر، فقہ، وغیرہ فنون پر مشتمل ہیں۔ عبارت کا نمونہ حسب ذیل ہے:

"روایت کئے ہیں خطیب ابن عساکر نے جابر رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حجر اسود یمین ہے اللہ تعالیٰ کا زمین میں مصافحہ کرتا ہے اس سے اپنے بندوں کو بندۂ عاصی کہتا ہے۔ اس حدیث میں حجر اسود کو اللہ تعالیٰ کا یمین کر کے فرمائے وہ تشریف واکرام کے لئے ہے اور یہ ان احادیث صفات سے ہے جن پر ایمان لانا واجب ہے

اور اس سے عضو جارحہ یعنی سید ھا ہاتھ مراد نہیں۔"

قدرت حلیم مرحوم | مولوی قدرت حلیم مرحوم بھی اسی عہد کے ایک عالم تھے، مدرسہ محمدی میں آپ نے مدتوں درس و تدریس کی خدمت انجام دی ہے، ۱۳۲۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

جواہر السیر، ریاض الشہدا وغیرہ آپ کے تصانیف ہیں، یہ کتابیں ۱۳۱۴ھ میں طبع ہوئی ہیں۔

آپ کی عبارت کا نمونہ حسب ذیل ہے:

"اس وقت جناب امام پر شدت پیاس سے ضعف غالب ہوا قصد فرات کا فرمایا تاکہ پیاس کی حرارت کو تسکین دیوے۔ شمر نے اپنی قوم سے کہا کہ حسین کو پانی پینے نہ دو کیونکہ اس وقت وہ مردہ ہیں اگر پانی پیویں گے تو زندہ ہو جائیں گے وہ مردودان دین بلور کے کوزوں میں پانی بھر کر سیدنا امام حسین کو دکھلاتے تھے لیکن ایک بوند پانی اس میں سے نہ دیتے تھے۔" (ریاض الشہدا)

یعقوب حسن صاحب | یعقوب حسن صاحب وزیر تعمیرات صوبہ مدراس علی گڈھ کالج کے بی اے ہیں، خلافت اور کانگریس کے جلسوں میں آپ نے جو حصہ لیا ہے وہ سب کو معلوم ہے، ایک عرصہ تک آپ مذہبی تصانیف میں مصروف رہے اور تفسیر قرآن شائع فرمائی جس کا نام کتاب الہدیٰ ہے، عبارت کا نمونہ حسب ذیل ہے۔

"عقل کو علم کی مدد کی بھی ضرورت ہے بلکہ علم و عقل دونوں توام ہیں کہو کیا وہ برابر ہی جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے صرف عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں ۳۹ع ازمر۔ علم کے مدارج میں اگر ابجد خوان یہ چاہے کہ کسی فن کے انتہائی معلومات پر

فوراً حاوی ہوئے تو یہ ممکن نہیں۔ قرآن کے متعلق یہ دعوی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ شخص بھی جس کا مبلغ علم محدود رہے اس کی سب باتوں پر بلا علوم قرآن کے مدارج طے کئے ہوئے عبور حاصل کرلے سکتا ہے۔"[1]

پروفیسر ڈاکٹر قطب الدین

پروفیسر ڈاکٹر قطب الدین صاحب کا وطن مدراس ہے مدراس یونیورسٹی سے ایم۔اے کی کامیابی کے بعد لندن یونیورسٹی سے تاریخ میں پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے اس وقت محمڈن کالج مدراس میں تاریخ کے پروفیسر ہیں۔ رسالہ سفینہ مدراس میں آپ کے مضامین شائع ہوتے عبارت کا نمونہ حسب ذیل ہے۔

"ہندوستان جنت نشان کو لوگ ضعیف الاعتقادی اور وہم پرستی کا گھر سمجھتے ہیں، بسا اوقات ایسے معترضین ان جملہ امور کو نظر انداز کر جاتے ہیں جن کے وہ خود شکار ہیں، مثال کے طور پر لیجئے ایسے کتنے روشن خیال انگریز ہیں جن کے دماغ خرافات عقیدوں اور بے ہودہ وہموں سے خالی ہیں، اس کا جواب بہت ممکن ہے آپ کو نفی میں ملے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

چند روز قبل یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ ایک انگلش لیڈی کسی ہوٹل کے بالاخانے میں کسی دریچہ کے قریب کھڑی ہوئی تھی، یکایک اس نے اپنی نگاہ پھیر لی اور نہایت ہی حسرت بھرے انداز میں غمگین چہرہ بنا کر کہا، افسوس یہ مہینہ میرے لئے ناموافق ثابت ہوگا، کیونکہ میں نے ماہِ نو کو شیشہ کے آڑ میں دیکھا۔ بہت سے ایسے انگریز ہیں جو میز پر جوتیاں رکھنا یا چھریوں کو ایک دوسرے پر رکھنا منحوس سمجھتے ہیں۔"[2]

---

[1] رسالہ بشریٰ جولائی ۱۹۳۳ء

[2] سفینہ جولائی

محمد علی خان صاحب | محمڈن کالج مدراس سے بی اے کی ڈگری حاصل کی ہے، رسالہ سفینہ کے مضمون نگار تھے، نمونہ تحریر حسب ذیل ہے۔

”ہر کالج کا دور شروع ہوتے ہی مدراس میں مختلف دماغ اور وضع کے طالب علم دیہات سے وارد ہوتے ہیں ان کے اطوار میں بالکل سادگی ہوتی ہے ان کے میل جول میں بھی ٹیپ ٹاپ کا نام نہیں ہوتا۔ میرے دوست مسٹر ج۔ خ جب پہلے پہل مجھ سے ملے ہیں تو کیفیت یہ تھی کہ ایک پائینچہ ٹخنے سے ایک بالشت اوپر چڑھا ہوا، اور دوسرا اتنا لانبا کہ ایڑی بالکل نظر نہیں آتی تھی، آپ چشمہ لگائے ہوئے تھے اور اس انداز سے ناک پر جما ہوا صلیب کی دہائی دے رہا تھا۔ کلاس میں آپ ہمیشہ اس انداز سے تشریف رکھتے تھے کہ پہلی نظر ہی میں دیکھنے والا بے ساختہ ہنس دیتا تھا۔“

عبدالجبار صاحب | آپ محمڈن کالج میں بی اے کی تعلیم پاتے تھے، مدراس آپ کا وطن تھا رسالہ سفینہ کے اڈیٹر تھے، آپ کی نثر کا نمونہ حسب ذیل ہے۔

”صوبہ مدراس میں اردو کی خدمت کا شوق پیدا ہو گیا ہے اور وہ دن دور نہیں جب کہ ہمارے مقاصد پورے ہوں، انجمن ترقی اردو نے بھی آہستہ آہستہ عملی طور پر میدان میں قدم بڑھایا ہے، کوشش ہے کہ اس کے ماتحت کتب خانہ اور دارالمطالعہ کا قیام ہو، اس قسم کی متعدد کارروائیوں کے علاوہ انفرادی حیثیت سے بھی اردو کی اشاعت کے مختلف ذریعے تلاش کئے جا رہے ہیں، اردو کی اشاعت کا بہترین ذریعہ رسایل و اخبارات ہیں اسی سلسلہ میں ہمیں اس امر کے اظہار سے مسرت ہے کہ شہر مدراس سے اردو کا ایک نیا روزنامہ جناب صدیقی

ابن میروز مرحوم کے زیر ادارت نکلنے لگا ہے، "اخبار المعی" آٹھ صفحے کا ہے تقریباً ڈیڑھ ماہ سے مسلسل وقت پر شائع ہو رہا ہے، خبروں کا اچھا انتظام ہے عمدہ اور سلیس اردو میں اڈیٹوریل مضامین لکھے جاتے ہیں[1]

"رسالہ مصحف" کے مضمون نگاروں میں علاقہ مدراس کا کافی حصہ ہوا کرتا تھا، تاریخی فلسفی، مذہبی، معاشرتی، اور ادبی ہر قسم کے مضامین لکھے جاتے ہیں اس موقع پر بعض اصحاب کی نثر کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے:

شاکر مولوی محمد غضنفر حسین شاکر، جن کے نظم کا نمونہ پیش کیا جا چکا ہے وہ ایک نثار اور انشا پرداز کی حیثیت سے بھی پیش ہو سکتے ہیں، ان کی انشا پردازی قابل داد ہے، انہیں جو ملکہ حاصل ہے وہ ایک کہنہ مشق انشا پردازی کا کافی ضامن ہے نمونہ ملاحظہ ہو۔

"اے دل مضطر، تڑپ، تڑپ، !! زور سے تڑپ !!! — ایک دم کے لئے بھی اپنی تڑپ میں کوشش پیہم کو نہ چھوڑ — یاد رکھ ہے تیرا سکون تیری موت کا مترادف ہے۔ تڑپ اور تڑپ! — تجھ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ تجھ میں وہ اگلا سا سوز و گداز نہیں رہا — دیکھ — گردش آسمان کو دیکھ — اور اس قدر زور سے تڑپ کہ تو حسن کی نظروں میں ایک شعلۂ جوالہ بن جائے"

"مادہ پرستوں کے رئیس اعظم جرمنی فلسفی بوخز نے جس کی وفات ۱۸۵۹ء میں ہوئی، اپنی کتاب موسوم بہ "قوت و مادہ" میں تمام مادی اصول کو جمع کیا ہے اور بہت مبالغہ اور شد و مد کے ساتھ یہ زعم کیا ہے کہ یہ علمی مسلمات ہیں، اس کے طرف داروں اور پیروؤں نے اس کتاب کو "مادیت کی کتاب مقدس" سے ملقب کیا ہے

---

[1] سفینہ جولائی ۱۹۲۹ء

اسی فلسفی نے اپنی کتاب میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ جس کو لوگ اَدبی ناموس اور اخلاقی قانون کہتے ہیں، وہ ان کا خیال محض ہے، اس نے روحانیت کے فلاسفہ پر یہ تہمت لگائی ہے کہ یہ سادہ مزاج پوست اور ظاہر سے بہت جلد دھوکا کھا جاتے ہیں۔"

مرزا غلام عباس کی نثر | مرزا غلام عباس صاحب پروفیسر مدرسہ اعظم کا ذکر شاعری کے ضمن میں آچکا ہے، آپ کی نثر کا نمونہ بھی پیش کیا جاتا ہے:

"انسان کی پیدائش کا مقصد اس عالم میں کام کرنا ہے، کام دو قسم کے ہوتے ہیں بدنی اور دماغی۔ آدمی اپنے رشد کو پہنچنے کے پہلے اپنے بدن اور دماغ کو محنت کا مشتاق بنانا چاہیئے، اور یہ ایک فطرتی قاعدہ ہے کہ انسان جس عضو بدن سے کام نہیں لیتا اس عضو کی بالیدگی میں انحطاط واقع ہوتا ہے اور چند پشتوں کے بعد وہ عضو جسم انسان سے بالکل مفقود ہو جاتا ہے، پہلے ہم بدنی تربیت کو لیں گے، انعقاد حمل کے چار پانچ مہینے بعد محسوس طور سے بچے کی حرکت رحم مادر میں شروع ہو جاتی ہے[۱]"

سید صبغۃ اللہ حسینی | سید صبغۃ اللہ حسینی صاحب بختیاری، رسالہ مصحف کے معین اڈیٹر ہیں آپ جدید اصول پر اکثر مذہبی مضامین قلمبند کرتے ہیں، قرآن حکیم کی روشنی میں دنیا کی زندگی کو سنوارنے اور بہتر بنانے کے متعلق کئی مضمون شائع ہوئے ہیں آپ کا طرز بیان صاف اور عام فہم ہوتا ہے نمونہ ملاحظہ ہو:-

---

[۱] پرورش اطفال

"قرآن مجید میں کہیں یہ نہیں فرمایا گیا کہ دنیا بالکل چھوڑ دینی چاہیئے اور اس کی لذّتوں سے فائدہ حاصل نہ کرنا چاہیئے بلکہ خلق لکم ما فی الارض جمیعاً (بقرہ ۱۔۲۸) جو کچھ زمین میں ہے سب تمھارے ہی لئے پیدا کیا گیا ہے، کہکر اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا کہ دنیا کی ساری چیزیں تمھارے ہی نفع رسانی کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور وہ تمھاری خدمت گزار ہیں اور تم ان سب کے مخدوم و مکرم ہو اور تمھیں ان سے خدمت لینی چاہیئے چنانچہ ارشاد باری ہے[1]...."

محمد صالح

محمد صالح نام، ملیبار آپ کا وطن ہے، عمر آباد میں قیام کر لیا ہے، "مصحف" میں اکثر افسانے لکھا کرتے ہیں۔

"ایک دن کھانے سے فارغ ہونے کے بعد مجھے اس نوجوان کی چٹھی ملی میرے جیب میں وہ اب تک دھری ہوئی ہے۔ مگر کسی کو نہیں دکھاؤں گا اسے دیکھ کر دو سانس آرام سے لے لیتا ہوں، آنسو بہا کر ہلکا ہو جاتا ہوں، جیسے کسی پرانے بیمار کو دو خوراک بچاتی ہے وہ چٹھی بھی میرے درد و غم کے لئے خوراک بن گئی ہے......

چٹھی پورے طور پر پڑھنے بھی نہ پایا تھا کہ سردار اعلیٰ نے مجھے بلایا، میں جاکر اس کے سامنے مودبانہ کھڑا ہو گیا۔ اس خفیہ مجلس کے ہر گروہ کے سردار جن کی تعداد بارہ تھی سب کے سب حاضر تھے، سناٹا چھایا ہوا تھا، اور خوفناک واقعہ کی تصویر کھینچ رہا تھا، سردار اعلیٰ کی تیز نظر میری آنکھوں میں ایسی اتر گئی جیسے گرم لوہے کا تیر آنکھوں میں دھنس گیا ہو، میں پلکیں نہ جھپکا سکا گویا آنکھوں میں

[1] دنیا کی زندگی رسالہ مصحف۔

آگ سی لگ گئی اسی حالت میں پانچ منٹ گزر گئے[1]

غنی

جناب غنی مدراسی رسالہ مصحف کے آپ بھی مضمون نگار ہیں۔

"یگانہ صاحب فرماتے ہیں کہ جناب سہا نے جو یہ تاویل کی ہے کہ غالب کو "اپنا سر یاد آگیا" بالکل مہمل توجیہ ہے کیونکہ لڑکپن میں اتنی دور اندیشی غیر ممکن ہے غالب کے لڑکپن کی دور اندیشی اظہار تعجب کرنا بھی ایک حد تک درست ہے خود یگانہ صاحب نے دیکھا ہوگا کہ بعض نادان اور کوتاہ اندیش لڑکپن کی منزل طے کر دینے کے باوجود "گوسالہ من پیر شد و گاؤ نہ شد" کی زندہ مثال بن کر حل کلام غالب کے میدان میں ٹھوکر پر ٹھوکر کھا رہے ہیں"[2]

حبیب خاں

حبیب خاں صاحب سروش تخلص، شمالی ارکاٹ کے باشندہ ہیں مدراس یونیورسٹی کے منشی فاضل ہیں آپکے آرٹیکلز شائع ہوا کرتے ہیں۔

"فطرت کی حسین سے حسین رنگین تصویر اس کی آنکھوں میں بے آب و رنگ معلوم ہوتی تھی، دنیا کی نزہت گاہوں میں اس کی دلچسپی کا کوئی سامان نظر نہیں آتا تھا وہ فطرت کی طرف سے ایک مضطرب دل لے کر آیا تھا، اس کی طبیعت فطرتاً متجسس واقع ہوئی تھی، دنیا کے چھوٹے سے چھوٹے حادثہ میں اسرار سربستہ کی ایک دنیا نظر آتی تھی، اس کے شوق جستجو کا تقاضا تھا کہ کائنات کے تمام پوشیدہ رموز کی واشگافی کرے، اس لئے وہ اکثر شب کی تنہائیوں میں نظام کائنات کی اعجوبہ کاریوں پر غور و فکر کرتا رہتا تھا"[3]

---

[1] خوبی از رسالہ مصحف [2] اسمعوا فہوا از رسالہ مصحف [3] شہید جستجو از رسالہ مصحف

ارشد ارشد حیدری وانمباڑی، مصحف میں آپ کے ادب لطیف کے مضامین شائع ہوتے ہیں۔

"صبح کا سہانا وقت تھا، میں خیابانِ چمن میں تازہ لہلہاتے ہوئے پھولوں کی مہک سے مست بیٹھا تھا۔ دنیائے محبت میں کھویا ہوا۔ اس وقت ایک اندھی حسین لڑکی مجھے ایک تحفۂ محبت پیش کرنے آئی ——— وہ محبت کا تحفہ ——— ایک پھولوں کا ہار کنول کے پتے میں لپٹا ہوا تھا ——— میرا دل مسرتوں سے لبریز ہو گیا ——— اور میں اس کو اپنے گلے میں پہن لیا ——— لیکن ......"[۱]

تبصرہ صفحات گزشتہ میں چودھویں صدی ہجری کے شعرا اور نثر نگاروں کے کارنامے پیش ہو چکے ہیں، جس سے مدراس کی موجودہ اُردو کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے، ہندوستان کے دوسرے حصوں میں آج کل اردو کا جو اسلوب اور طرزِ بیان مروّج ہے وہی مدراس میں بھی ہے، فرق یہ ہے کہ مدراس میں نثر نگار اور شاعروں کی تعداد کم ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اُردو کی جو ترقی ہندوستان کے دوسرے حصوں خصوصاً پنجاب اور قلمروِ آصفی میں ہو رہی ہے، اس کے لحاظ سے مدراس ہنوز بہت پیچھے ہے، اور اس کی ترقی کے لئے اس کو ابھی بڑا وسیع میدان طے کرنا ہے، ضرورت اس کی ہے کہ اہلِ قلم مستعد ہو کر میدانِ عمل میں اتریں، اس کے ساتھ ہی صاحبِ ثروت

۱؎ "اندھی پھولوں والی لڑکی" رسالہ مصحف "

اصحاب کا فریضہ ہے کہ وہ مصنفین اور مولفین کی ہمت افزائی کرتے رہیں، مدراس یونیورسٹی اور اندھرا یونیورسٹی کے لئے ضروری ہے کہ اپنے یہاں کورس میں اردو کو خاص درجہ دیں، اور اردو کی تعلیم کے لئے قابل پروفیسر مامور کریں تاکہ اردو کی ترویج عام طور سے ہو سکے، اور ہندوستان کی زبان ایک ہو جائے۔

شمالی ہند کے بعض متوطنین مدراس اور انکی ادبی خدمات

صفحات ماقبل سے مدراس کے ارباب علم و فن کی نظم و نثر کا اسلوب واضح ہو چکا ہے، اب ہم بعض ان اصحاب کا تذکرہ کرنا ضروری تصور کرتے ہیں جو اگرچہ مرز بوم کے لحاظ سے مدراس کے نہیں ہیں مگر عرصہ سے مدراس میں قیام اختیار کر لیا ہے اور ادب اردو کی ترقی میں کوشاں ہیں۔

محوی ان اصحاب میں سب سے پہلے مولوی محمد حسین صاحب صدیقی محوی، لکھنوی، کا ذکر ضروری ہے، آپ کی پیدائش بمقام لکھنو ۱۳۰۶ھ میں ہوئی اور گذشتہ کئی سال سے مدراس میں مقیم ہیں اور انجمن ترقی اردو کے لئے آپ نے لغت کا بڑا ذخیرہ مرتب کیا ہے اس کے علاوہ کئی تصانیف بھی شائع ہو چکیں، صوبہ مدراس میں اردو کی ترقی سے آپ کو بڑی دلچسپی ہے جس کے لئے مختلف طور سے جد و جہد کرتے رہتے ہیں آپ کو شعر و شاعری سے بھی دلچسپی ہے اور مدراس کے ہر علاقہ میں شاگردوں کی کافی تعداد ہے۔

مدراس کے رسالوں کے علاوہ ہندوستان کے بلند پایہ رسالوں میں بھی آپ کے

مضامین اور نظمیں وغیرہ شائع ہوتی ہیں ۔

عبیدالرحمٰن مولوی عبیدالرحمٰن صاحب عاقل رحمانی، دہلی کے مدرسہ رحمانی سے کامیابی حاصل کی ہے جامعہ عربیہ دارالسلام عمرآباد (ارکاٹ) میں پروفیسر ہیں، اردو سے خاص دلچسپی ہے، رسالہ مصحف کے مخصوص مضمون نگار ہیں آپ کے مذہبی فلسفی، تاریخی اور ادبی مضامین قابل قدر ہوتے ہیں ۔

عبدالسبحان مولوی عبدالسبحان صاحب کا وطن شمالی ہند ہے، مگر جامعہ عمرآباد میں آپ نے تعلیم پائی ہے، گزشتہ چھ سات سال سے عمرآباد ہی میں مقیم ہیں، تاریخ سے خاص دلچسپی ہے، رسالہ مصحف میں آپ کے تاریخی مضامین وغیرہ کثرت سے شائع ہوتے ہیں ۔

ابوالجلال ندوی اعظم گڈھ آپ کا وطن ہے، کئی سال سے مدراس میں مقیم ہیں ہفتہ وار اخبار "سہیل" آپ کی اڈیٹری میں شائع ہوتا تھا ۔

عبدالرزاق مولوی عبدالرزاق صاحب دیوبند سے آپ نے تعلیم کی سند حاصل کی ہے ۔ افضل گڈھ ضلع بجنور آپ کا اصلی وطن ہے۔ کئی سال سے مدراس میں مقیم ہیں رسالہ بشریٰ کے آپ اڈیٹر تھے ۔

اسی طرح بعض اہل مدراس بھی ہندوستان کے دوسرے حصوں میں اردو کی خدمت گزاری میں مصروف ہیں، مثلاً مولوی عبدالعلی آسی لکھنؤ میں اور حیدرآباد میں کئی خاندان اردو کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہیں ۔

پانچواں باب

مدراس کے مرثیے

گذشتہ ابواب میں دسویں صدی ہجری سے موجودہ زمانہ تک کی نظم و نثر کا نمونہ پیش کر دیا گیا ہے، جس سے مدراس میں اردو کی ترقی پر کچھ بھی روشنی پڑ سکتی ہے لیکن ابواب ماقبل میں مرثیہ کا کوئی نمونہ نہیں دیا گیا ہے، لہذا یہاں خاص طور پر اس کے متعلق صراحت کی جاتی ہے،

دسویں صدی ہجری سے متعلق ہمیں کوئی مرثیہ دستیاب نہیں ہوا البتہ گیارہویں صدی میں اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ مدراس میں مرثیوں کا رواج تھا، چنانچہ سعید نامہ (سوانح سعادت اللہ خان) سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ سعادت اللہ خان دکھنی مرثیے لکھا کرتے تھے، مگر افسوس ہے کہ ہم کو کوئی نمونہ ان کی شاعری کا دستیاب نہیں ہوا، اس لئے مرثیہ کا نمونہ بھی پیش کرنا دشوار ہے ۔

بارہویں صدی ہجری میں شاعری کی ہر صنف میں طبع آزمائی ہونے لگی غزل، قصیدہ، مثنوی اور رباعی کی طرح مرثیہ میں بھی شاعروں نے اپنی جولانی طبع دکھائی ہے مخصوص مرثیہ گو شعرا کے قطع نظر دیگر شاعروں نے بھی دوسرے اصناف سخن کے ساتھ مرثیوں کا لکھنا بھی ضروری تصور کرتے تھے ۔

اس زمانہ کے مدراس کے مرثیہ گو شعرا کی پوری تفصیل دشوار ہے، البتہ بعض شعرا کے مرثیوں کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

دیوان[1] زین العابدین نام اور دیوان تخلص، روسا نایطی ہیں، نواب علی دوست خان عرف چندا صاحب کے داماد تھے، مصنف "گلدستہ کرناٹک" نے آپ کی بڑی تعریف کی ہے، مرثیوں کا نمونہ حسب ذیل ہے:-

کربلا جب مقتل شہزادہ اکمل ہوا — خاک اس کا ہر زمین و آسمان افضل ہوا
ظلمت غم کیوں نہ ہووے ہر دو عالم کوں محیط — آفتاب دین کوں مغرب عرصۂ کربل ہوا
زخم غم ہر شئے اپر بھاری آج ہیگا حشر لگ — زخم خنجر اس گلے نازک پہ جب ہیکل ہوا
ہر دو عالم کے انکھیاں سوں ہو بہے نالے چلے — دل گل اس ماتم سوں ہر یک نین میں جل ہوا
تیں رہیا طاقت انکھیاں میں رونے شہ کے غم — سوز غم سوں ہر نین میں تیر جل کا جل ہوا
رو رہے جو رنجوں ہو ہر دم شہاں کے درد سوں — زنگ عصیاں پاک کرنے اسکوں غم صیقل ہوا
ہر یں سوز زخم غم ہے تن او پر دیوان کے — اس زخم کے درد سوں ہر دم بدم ہیکل ہوا

فلک خرقہ رنگیا ہے نیل میں غم سوں شہ دین کے
دیا بدبخت ظالم جب حسن کو جام پھر سم کا
سموم ہجر سوں شہ کے ہووے برہم ملایک سب
ہوا ویران باغ زندگی تب جن و آدم کا
یہی ہے بس تجے دولت اچھوں میں غم میں سرور کے
کہوں میں صدق سوں ہر دم صفت فرزند خاتم کا

---

[1] صبح دکن اعظم، گلزار اعظم، تاریخ النوایط۔

شفاعت مجھ سے عاصی کوں کریں گے ساقی کوثر

رکھیا ہوں آسرا محشر کوں اس شاہ مکرم کا

سدا دیوآن روتا حیف کیا غم سوں شہیدان کے

چھتر ہے سر پہ اس کے گرد اہل بیت اکرم کا[۱]

سرور عثمان خان سرور کا تذکرہ دوسرے باب میں کیا گیا ہے ان کا ایک مرثیہ اوپر میں ہے، اس کے چند شعر پیش کئے جاتے ہیں :-

آیا ہے چندر کہن پر ماتم کا — دھوم اوچا چوکدہن پر ماتم کا

پانی سرور حسین کوں پلا یا — زہر بہدا تن میں پر ماتم کا

سرور شہاں کے غم سوں اس جیو کوں

فدا کیا ہے چرن پر ماتم کا

غمگین غمگین کا تذکرہ بھی مفصل طور پر دوسرے باب میں کیا گیا ہے، ان کے مرثیہ کا نمونہ بھی درج ذیل ہے :-

غم کے آگ سوں جلکر رہیا ہے — سنیا کلیجا تن میں ماتم میں

افسوس ہر دم سر پر کہر یا غم — حیف سدا ہے من میں ماتم میں

سور شفق کے لہو میں ڈوبیا ہے — شاہان جیو جی ہے رن میں ماتم میں

چاند دو کہوں تے خاک لگا موں — خم ہو رہیا کھن میں ماتم میں

دک سوں ملایک ساتوں گگن کے — روتے ہیں عرش کے صحن میں ماتم میں

امر سوں حق کے پاک شہادت — پر خوں ستے ہے کفن میں ماتم میں

---

[۱] بیاض کتب خانہ مولوی صفی الدین مرحوم

غمگین بچن سوں مرثیہ شہ کا | باندیا ہوں ملک دکھن میں ماتم میں[1]

آگاہ | باقر آگاہ کا ذکر تفصیل کے ساتھ دوسرے باب میں کیا گیا ہے آگاہ نے مرثیے بھی کہے ہیں، اس کے علاوہ ریاض الجنان[2] ایک مثنوی میں شہادت کے واقعات کو تفصیل سے لکھا ہے، بطور نمونہ چند شعر پیش کئے جاتے ہیں۔

جب ہوا شہید وہ اشرف | دیکھے محشر کا دھوم دھام سلف
سب تجے اس الم ستے طاقت تاب | گریہ کرنے لگے ہیں مثل سیماب
غم کے گرداب میں سبھی ایک بار | غوطے کھانے لگے ہیں لیل و نہار
صبر و آرام اپنا سب جا بھول | ہوے تھے زندگی سے لیتے ملول
اور ان سے بہت اکابر دین | بولے ہیں مرثیہ رفیق و حزین
بعض ان میں بہت ہیں سوز آمیز | رقت و درد سے ہیں شہر انگیز
نازنے تجھ کو وہ سب ۔ ۔ ۔ ۔ کر | کچھ تامل کئے نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ابتر
ایک ساعت بھی ڈر کلام خدا | قتل میں تیرے آئے امام ہدا[2]

بارھویں صدی ہجری کے بعد تیرھویں صدی ہجری کے شعرا میں مرثیہ گو شعرا کا بھی خاص درجہ تھا اس زمانہ کے مرثیوں کا مختصر نمونہ بھی پیش کیا جاتا ہے۔

مستقیم | نامی کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے، وہ مرثیے بھی کہا کرتے تھے اور ان میں مستقیم اپنا تخلص لاتے تھے، کیمبرج کی بیاض[3] میں ان کا ایک مرثیہ موجود ہے، افسوس ہے کہ پورا مرثیہ نقل نہ ہو سکا۔

---

[1] بیاض مولوی تقی الدین صاحب مرحوم [2] ریاض الجنان اس کے کئی نسخے ہمارے خاندان میں موجود ہیں۔ [3] یورپ میں دکنی مخطوطات ۱۷۷

تشنہ لب رن میں کیوں اک پیغمبر ہوتے　　حاضر اس وقت اگر ساقی کوثر ہوتے

مستقیم اس غم جان سوز کو گر لکھا نب
نہ فلک تجھ قلم رہ کے دفتر ہوتے

حسن

محمد حسن خان نام اور حسن تخلص تھا۔ ۱۲۳۲ھ میں سرکار کمپنی کے مدرسہ میں مدرس تھے ۱۲۵۸ھ میں انتقال ہوا۔[1]

محرم کا چندر آیا شہا کا دکھ دکھلانے کو　　محباں کے جگر میں فلک خنجر لگانے کو

سہے کرتا دل میں دائم یو غم یاراں حسینا کا　　کہ ہر دم یاد میں رو رو اپس کا تن گلانے کو

کر ویسے شاہ اوپر کیا کیا ہے ظلم او ملعون　　لیے دوزخ کیا حق نے ستم سار کو جلانے کو

پڑے جب شاہ او رن میں کئے تعزیے فلک سا تو　　حوراں کوثر کے پیالے لئے کھڑے تھے ہو پیانے کو

حشر کے دن مجھ عاصی پہ کرنا کرم حسین سرور　　کیا ہوں مدح غم سوں میں جنت کا در کھلانے کو

حسن رو رو کے بولیا ہے مدح یو جاں کے شور سن یوں　　کہ ہر دم اس درد سے لگیا جان سلیلانے کو[2]

معجز

معجز کا بیان گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے، ان کے سلام کے چند شعر ملاحظہ ہوں۔

عرض کرتا ہوں سدا عترت اطہر پہ سلام　　یعنی قرآں کے اوس فرقہ سر پہ سلام

شرف نوع بشر آل پیمبر پہ سلام　　خاص اوس جرعہ کش چشمہ خنجر پہ سلام

دشت خونخوار محبت کے سدا تشنہ لباں　　کربلائے سفر عشق کے باآہ وفغاں

ایرسا سینہ بھرا کہتے ہیں ہر آن وزماں　　خلف تشنہ لب ساقی کوثر پہ سلام

بس کرا سے معجز تا دان کہ اسلام اکبر　　لیتے ہمراہ لے املاک و رسل کا لشکر

---

[1] گلزار اعظم　　[2] بیاض کتب خانہ مولوی صفی الدین صاحب

عشق ذاتی کے مقامات سے ہر شام و سحر بھیجتا ہے خلعت شافع محشر پہ سلام[۱]

مشتاق سید احمد مشتاق تخلص کا ذکر تیسرے باب میں کیا گیا ہے، ان کی کتاب بوستان شہادت کا نمونہ بھی دیا گیا ہے یہاں ان کا ایک مرثیہ پیش کیا جاتا ہے[۱]

مقتل پہ جب کہ اہل حرم کا ہوا گذار دیکھے تو اہل بیت کے خون سے ہے لالہ زار

لاشوں پہ آل پاک کے ہے گرد اور غبار نیزوں پہ ہائے ہائے سراں کے ہیں سب سوار

تڑپے ہیں خاک پر کہیں پوتے رسول کے

لخت جگر علی کے کہیں ہیں ٹنگے سر کٹے

اہل حرم جو دیکھے یہ حالات سوگوار بے اختیار رونے کو لاگے ہیں آہ مار

مخصوص ان میں زینب صغرا ہو زار زار منہ کر طرف مدینہ کے بولے ہیں یوں پکار

نیزا لہو ہو ٹکڑے پڑا یا محمدا

سر ہے کہیں بدن ہے کہیں وا محمدا

کر قید تیری بیٹی بہو کو وہ نابکار زین العبا کے ہاتھ دئے اونٹ کی مہار

ہیہات اہل بیت پیمبر کو ایک بار یوں لے چلے ہیں شام کو تیرہ روزگار

جن کے لئے کیا تھا وصیت تو بار بار

ان سے کئے ہیں ایسی مروت یہ بد شعار

اونٹوں پہ بے کجاوا کھلے سر بٹھائے ہیں کیا تیری اہل بیت پہ آفت مچائے ہیں

سو سو طرح کے ان پہ مصیبت یہ لائے ہیں دام بلا میں آل نبی کو پھسائے ہیں

رکھتے ہیں کیا امید شفاعت وہ روسیاہ

کی ہے جنھوں نے آل پیمبر کا گھر تباہ

---

[۱] بیاض کتب خانہ مولوی حبیب اللہ صاحب مدراس

پانی نہ دے کے آل کو کافر ستائے ہیں ابن نبی کے خون سے نالے بہائے ہیں
کشتی کو آل بیت کے ظالم ڈبائے ہیں طوفان ستم کا آل نبی پر اٹھائے ہیں
ہیہات کیا تشنہ لب ان ظالموں کے ہاتھ
بیٹھا ہوا ہے ساقی کوثر بر فرات

تیغوں کے بیچ آل نبی کو کھپائے ہیں آہ خانۂ علی کو ستمگر دہلائے ہیں
دلبند فاطمہ پو نے خنجر چلائے ہیں نہیں شرم اپنے دل میں پیمبر سے لائے ہیں
حق آپ کا تو خوب یہ امت ادا کئے
جو تیرے آل بیت پو ایسی جفا کئے

آپس میں مل کے سارے ستمگار ربلا کاٹے نبی کے ہائے جگر بند کا گلا
لب تشنہ اس جہاں سے علی کا پسر چلا جز آب تیغ آب نہ اس کو کہیں ملا
ظالم ذرا بتا ؤ کہ اس طرح کی جفا
آل نبی پہ کون سے مذہب میں ہے روا

شبیر جب سے تشنہ لب موا ہے بکربلا اس غم ستے حباب کا جل پر ہے آبلا
ہیہات ہیں جو آل مصیبت میں مبتلا اس درد ستے زمین کیتیں ہیگا زلز لا
آل نبی کو . . . . یہ جور اور ستم
ماتم ستے پشت پیر فلک کی ہوئی ہے خم

مشتاق بس کر اب تو یہ احوال جان گزا اس غم سے روکہ نبی کی ہے اقتدا
اور دوستوں کو آل کے اس غم طرف بلا سنو لکے غم حسین کا ان سب کیتیں رلا
چاہتے ہو گر نبی کی شفاعت تو روئیے
ہر دم سلام اور درود ان پہ بھیجیے[۱]

[۱] بوستان شہادت مخطوطہ ذاتی کتب خانہ دیوانی سرکار نظام

تیرہویں صدی ہجری کے بعد اب چودہویں صدی کا بھی ایک مرثیہ پیش ہے، تاکہ تدریجی
ترقی کا اندازہ ہو سکے، یہ مرثیہ مرزا غلام عباس علی صاحب کا ہے جن کا ذکر شعرا کی تفصیل میں ہو چکا ہے

نواسا احمد مرسل کا جب اک بوند کو ترسے
ہر اک مومن کی آنکھوں سے نہ کیوں خوں کی جھڑی برسے

شجاعت پائی ہے ورثہ میں ان دونوں نے حیدر سے
ملا عون و محمد کو یہ جوہر شیر مادر سے

غم شہ میں جو بھر آتا ہے دل آنسو ٹپکتے ہیں
یہ مے شیشہ سے چڑھتی ہے چھلک جاتی ہے ساغر سے

اگر پی جاؤں آنسو آگ سی لگ جائیگی دل سے
کہیں کعبہ نہ جل جائے مری آنکھوں کے اخگر سے

عجب نظارہ ملا عاشق کو میدان محبت میں
کہ رنگیں کر لیا چہرہ کو اپنے خون اصغر سے

پہنکر طوق بھاری ساربان تنکر چلے کیونکر
جو تپ میں جل رہا ہو اٹھ نہیں سکتا ہو بستر سے

اگر زیر قدم سجاد کے آنکھیں مری ہوتیں
تو کیا اچھا تھا یہ جو پھوٹیں کانٹوں کے نشتر سے

بپا کہرام تھا خیمے سے جب رن کو چلے اکبر
گماں دشمن یہ کرتے تھے کوئی میت چلی گھر سے

—— x ——

اگل کر خون بچے نے جو صورت باپ کی دیکھی
بہت روئے شہِ بے کس لپٹ کر لاش اکبر سے

وہی ہیں زندۂ جاوید مرتے ہیں جو الفت میں
انہیں کیا کام مرنے سے غرض کیا ان کو محشر سے

امام ضامن و ثامن بلائیں گے جو روضہ پر
قتال خامہ ہم عباس چلتے جائیں گے سر سے

چھٹا باب

رسائل اور انجمنیں

زبان کی ترقی کا ایک بڑا ذریعہ اس ملک کے اخبارات اور علمی رسالے وغیرہ بھی ہوتے ہیں، مغربی ممالک اور جاپان میں جس کثرت سے اخبارات اور رسالے شائع ہوتے ہیں وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

ہندوستان کے اخبارات کی کوئی صحیح تاریخ ہنوز مرتب نہیں ہوئی ہے، اپریل ۱۹۳۵ء کے رسالہ اُردو میں برج موہن کیفی صاحب نے نصف صدی پہلے کے اخبارات پر ایک تفصیلی مضمون شائع کیا تھا اس مضمون کی صحت اور اضافہ مولوی عبدالرزاق صاحب راشد حیدرآبادی نے اپنے مضمون کے ذریعہ کیا تھا جو رسالہ اُردو کے اکتوبر ۱۹۳۵ء میں شائع ہوا ہے مگر ان دونوں مضامین سے مدراس کے اخبارات کی پوری تفصیل نہیں ملتی۔

یہاں ہم مدراس کے اردو اخبارات کی مختصر صراحت کرتے ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے ہندوستان کا سب سے پہلا اخبار جو انگریزی تھا سنہ ۱۷۸۰ء میں شائع ہوا تھا اس کا نام انڈیا گزٹ تھا[1]۔

اور اردو زبان کا سب سے پہلا اخبار سنہ ۱۸۲۲ء میں دہلی سے شائع ہوا تھا

---

[1] مضمون راشد صاحب رسالہ اردو۔

اس کا نام "اردو اخبار" تھا مولانا محمد حسین آزاد کے والد مولوی محمد باقر اس کے اڈیٹر تھے۔[۱]

ہمارا خیال ہے اردو کا پہلا اخبار غالباً "عمدۃ الاخبار" ہوگا جو مدراس سے شائع ہوا ہے، اگرچہ اس کے اجرائی کا صحیح سنہ ہنوز تحقیق کے ساتھ تعین نہیں کیا جاسکتا لیکن گمان غالب ہے کہ اس کی اجرائی عمدۃ الامرا کے زمانہ میں ہوئی ہے اور ان کے نام پر ہی "عمدۃ الاخبار" رکھا گیا ہے۔

عمدۃ الامراء والاجاہ محمد علی خان ناظم ارکاٹ کے دوسرے لڑکے تھے اور والاجاہ کے انتقال پر سنہ ۱۲۱۰ہجری (سنہ ۱۷۹۶ء) مسند ارکاٹ پر متمکن ہوئے اور سنہ ۱۲۱۶ہجری (سنہ ۱۸۰۲ء) میں ان کا انتقال ہوا۔

اگرچہ گارساں دتاسی نے عمدۃ الاخبار کا ذکر اپنے سولہویں خطبے میں کیا ہے۔ (سنہ ۱۸۶۶ء) مگر اس کے ساتھ ہی اس نے اس امر کی بھی وضاحت کردی ہے کہ یہ اخبار بہت پہلے سے شائع ہوتا تھا چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

"عمدۃ الاخبار، اس نام کا ایک اخبار پیشتر سے بریلی سے نکلتا ہے، لیکن یہ اخبار مدراس میں بہت عرصہ سے جاری ہے یہ بھی مہینہ میں تین بار نکلتا ہے، کبھی کبھی تصاویر بھی ہوتی ہیں"[۲]

ممکن ہے ہمارا خیال صحیح ہو، اور ممکن ہے غلط ہو، مگر اس میں شک نہیں کہ عمدۃ الاخبار مدراس کا پہلا اخبار تھا۔

گارساں دتاسی نے مدراس کے جن اخبارات کا ذکر اپنے خطبات میں کیا ہے ان کی تفصیل درج کی جاتی ہے۔

۱۔ [illegible] رسالہ اردو

۲۔ خطبات مطبوعہ انجمن ترقی اردو ص ۱۹۰

شمار	نام اخبار	سنہ اجرائی	روزانہ یا ہفتہ وار	نام اڈیٹر
۱	عمدۃ الاخبار	؟	مہینہ میں تین بار	؟
۲	مراۃ الاخبار	سنہ ۱۸۴۵ء	؟	؟
۳	قاصد	ایضاً	؟	؟
۴	جامع الاخبار	سنہ ۱۸۶۰ء	ہفتہ وار	رحمت اللہ

اس کے متعلق صراحت کی گئی ہے کہ سولہ صفحے کا اخبار تھا، اور ہر صفحہ میں دو کالم ہوتے تھے

شمار	نام اخبار	سنہ اجرائی	روزانہ یا ہفتہ وار	نام اڈیٹر
۵	صبح صادق	سنہ ۱۸۶۰ء	ہفتہ وار	عبدالرحمن شفاف

اس کے متعلق کسی قدر تفصیل سے وضاحت کی ہے جس کی صراحت آگے آتی ہے

شمار	نام اخبار	سنہ اجرائی	روزانہ یا ہفتہ وار	نام اڈیٹر
۶	کرتان	سنہ ۱۸۶۰ء	مہینہ میں تین بار	؟
۷	شمس الاخبار	سنہ ۱۸۶۵ء	ایضاً	ظہیر الدین گھٹالہ
۸	مظہر الاخبار	سنہ ۱۸۵۶ء ۱۲۷۲ ہجری	ایضاً	محمد خواجہ بادشاہ عنبر
۹	ریاض الاخبار	؟	ہفتہ وار	سید حسین
۱۰	طلسم حیرت	سنہ ۱۸۶۸ء	؟	؟
۱۱	امیر الاخبار	سنہ ۱۸۶۸ء	؟	؟

یہ گیارہ اخبار ہیں جن کا ذکر گارساں دی تاسی نے اپنے خطبوں میں کیا ہے
ان کے علاوہ ایک قدیم اخبار "احسن الاخبار" بھی تھا جو مظہر الاخبار کے ساتھ اسی زمانہ میں شائع ہوتا تھا۔

ان اخباروں کے بعد جو اخبار سنہ ۱۸۸۰ء کے اواخر یا اس کے بعد اب بیسویں صدی عیسوی میں جاری ہوئے وہ بھی درج کئے جاتے ہیں۔

شمار	نام	اشاعت	مدیر
۱	جریدۂ روزگار	ہفتہ وار	سید مرتضیٰ قادری
۲	نیر آصفی	ایضاً	سلطان محمود
۳	مخبر دکن	ہفتہ وار	سید عبدالقادر
۴	قومی رپورٹ	روزانہ	محمد عبدالمجید بشیر
۵	آزاد ہند	روزانہ	محمد عبداللطیف فاروقی
۶	المعی	ہفتہ وار	صدیقی صاحب
۷	سفینہ	سہ ماہی	محمد عبدالجبار
۸	بشریٰ	ماہوار	عبدالرزاق صاحب فاضل دیوبند

اس کے بعد جو اخبارات اور رسالے شائع ہوئے یا ہو رہے ہیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے

شمار	نام	اشاعت	مدیر
۱	مسلمان	روزانہ	بشیرالدین احمد جنید
۲	مسلم گزٹ	ایضاً	محمد کریم محی الدین
۳	مسلم رپورٹ	ایضاً	غلام محی الدین ہادی
۴	سہیل	ہفتہ وار	ابوالجلال ندوی
۵	رفیق	ماہوار	قاضی عبدالرحمٰن
۶	مصحف	ماہوار	شاکر نائطی
۷	جلوہ سخن	ماہوار	حکیم محمد عبدالغفار

ان کے علاوہ مینا اور تذکرہ نام دو رسالوں کا ایک ایک نمبر شائع ہوا اور پھر اس کے بعد بند ہو گئے ۔ بے محل نہیں ہو سکتا اگر یہاں بعض اخبارات کے متعلق مزید صراحت کی جائے

۲۴۶

اخبار صبح صادق | اس اخبار کے متعلق گارسان دی تاسی نے جو صراحت کی ہے وہ حسب ذیل ہے:

"صبح صادق ہفتہ وار اخبار ہے، ہر سہ شنبہ کو شائع ہوتا ہے، یہ بڑی تقطیع پر ہوتا ہے، اور ہر صفحے پر دو کالم ہوتے ہیں اس کے مدیر عبدالرحمن تشفاف ہیں، اس کی متعدد اشاعتیں میری نظر سے گزری ہیں، ان میں سے ایک میں ہندوؤں کی غیر اخلاقی اور وحشیانہ رسوم پر تنقید ہے، ان رسموں میں ایک "چرک پوجا" ہے جس طرح ستی کی رسم کو خلاف قانون قرار دیا گیا ہے، اسی طرح اس کو بھی خلاف قانون قرار دینا چاہیئے۔ اس مضمون میں بعض ہندو فقیروں اور مالابار کی برہنہ عورتوں کے حالات درج ہیں اس رسم کو شاستروں کی تعلیم کے خلاف بتایا گیا ہے، ہندو عورتوں کو اگر بالکل نو عمری میں بیاہ نہ دیا جائے تو عمر بھر وہ بن بیاہی رہتی ہیں، اور ان کو دیوتاؤں کے نذر کر دیا جاتا ہے، یہ سب عورتیں فحش میں مبتلا ہوتی ہیں، اس اخبار میں سیفی کا ایک مضمون نظر سے گزرا۔ یہ اچھا خاصا لکھ لیتے ہیں، یہ مضمون امام حسن اور امام حسین کی شہادت کے متعلق تھا، اس کے علاوہ غالب کی ایک غزل اس میں درج تھی جس کی ردیف "پاؤں" ہے مدیر نے مسٹر پامر کے ان مضامین پر تبصرہ لکھا ہے جو موصوف نے اودھ اخبار اور اخبار عالم کے لئے لکھے تھے، تبصرہ میں مسٹر پامر کے طرز انشا کی تعریف کی گئی ہے، اور اس خواہش کا اظہار کیا گیا ہے کہ کیا اچھا ہو اگر گورنمنٹ ایسے یوروپینوں کو مدراس کے سر رشتہ تعلیم میں اعلیٰ خدمات پر مقرر کرے تاکہ ان سے نفع حاصل کیا جا سکے، ایسے اشخاص کا اثر مدراس پر بہت مفید ہوگا، اس لئے کہ وہ ہندوستانی، عربی اور فارسی سے بھی واقفیت رکھتے ہیں۔"

مظہر الاخبار اس اخبار کا ایک پرچہ ہم کو ملا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اخبار مہینہ میں تین بار شائع ہوتا تھا، محمد خواجہ بادشاہ عبرت اس کے مدیر تھے، محلہ ترملکھڑی میں اس کا دفتر تھا۔ یورپ کی خبریں ہندوستان کی خبروں کے علاوہ مختلف مضامین وغیرہ لکھے جاتے تھے۔

ہم ذیل میں اس کی عبارت کا نمونہ پیش کرتے ہیں جس سے اس وقت کی زبان کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

مصر "اخبارات ولایت مظہر ہے کہ سلطان روم معہ پاشا بیگم مصر کو جاویں گے اور چالیس روز میں بازگشت فرمائیں گے۔ **یونان** آج تک یہ تخت بے چراغ تھا، شکر ہے کہ اب روشن ہوا، جناب ولیعہد ملکہ معظمہ کے سالے ولیم صاحب بہادر اس تخت پر رونق افروز ہوئے۔"

ایک مضمون میں شادی بیاہ کے رسوم پر تبصرہ کیا گیا ہے اور اس وقت کی ایک شادی کی جو رسومات کو ترک کر کے ہوئی تھی تعریف کی گئی ہے چنانچہ لکھتے ہیں: -

عقد تزویج ہندوستان کے اہل اسلام میں دو قسم رواج پایا ہے، ایک نکاح خوانی جو اصل دین ہے، یعنی فقط شروط و آداب نکاح موافق حکم شرع بجالانا چنانچہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں جہاں سے اسلام پیدا ہوا، اور بلاد عرب، شام و ترک و مغرب وغیرہ میں اسی آئین پر ازدواج کا رواج شائع ہے، دوسرا شادی جو مخصوص اختراع اہل ہند ہے یعنے چند رسوم غیر شرعی مسرفانہ جو ہند کے مسلمانوں نے فقط حظوظ نفسانی حاصل کرنے کے لئے سراسر رسم ہنود سے اخذ کر کے اور ان کو ترکیب تازہ دے کر نکاح کے ساتھ منضم کر دئے ہیں، ادا کرنا یہ رسوم سوائے ہندوستان کے

اور کسی مملکت میں مروج نہیں، بلکہ ہندوستان کے تمامی بلادوں میں ایک صورت پر ادا نہیں کئے جاتے ہیں، ہر ملک میں ان کا رنگ ڈھنگ جدا ہے، ان کے سرانجام کے واسطے ہزارہا روپے خرچ کرنا ضرور پڑتا ہے، جب تک اس قدر مبلغ فراہم نہ ہو ازدواج نہیں کرتے، اسی واسطے اکثر ان بیاہی لڑکیاں بوڑھی ہو گئیں، اور اسی عالم میں مر گئیں، یہ وقت مسلمانوں پر بہت نازک ہے، ترک رسوم شادی کر کے فقط نکاح پر مستحکم ہو جاویں تو اسراف سے بچیں گے، اور دین دنیا میں اچھے ہو ویں گے۔ چنانچہ جو بنا ان دنوں اس فعل مستحسن کی ڈالی گئی اور یہ روش احسن جو یہ آئین ہی شروع کی گئی واسطے ضیافت طبع ناظرین کے ہم ذیل میں مرقوم کرتے ہیں"[1]

اس کے بعد مولانا قاضی بدر الدولہ کے فرزند مولوی حسین عطاء اللہ[2] کی شادی کا حال لکھا ہے جو سالار الملک محتشم جنگ کی دختر سے ہوئی تھی۔

شمس الاخبار جیسا کہ بیان کیا گیا شمس الاخبار ۱۸۶۵ء میں جاری ہوا تھا یہ اخبار مدت دراز تک برابر شائع ہوتا رہا غالباً ۱۹۰۵ء تک بھی یہ جاری تھا، بڑی تقطیع کے بارہ صفحے ہوتے تھے۔

مخبر دکن، جریدہ روزگار، نیر آصفی یہ تینوں ہفتہ وار اخبار عرصہ تک شائع ہوتے رہے ان میں زیادہ تر حیدرآباد اور قلمرو نظام کے حالات اور واقعات ہوتے تھے انگریزی اخبارات میں جو غلط واقعات

---

[1] مظہر الاخبار جلد ۱، نمبر ۲۲ بابتہ ۱۲۷۹ھ مملوکہ محمد غوث ام اے، ایل ایل بی۔

[2] مولوی حسین عطاء اللہ مرحوم راقم الحروف کے نانا تھے، اس زمانہ میں ہمارے خاندان میں ترک رسومات کا ایک دستور العمل بنایا گیا تھا اور تمام رسومات ترک کر دئیے گئے تھے، یہ شادی ترک رسومات کی پہلی شادی تھی۔ اُس وقت سے ہمارے خاندان میں رسومات بند ہو گئے ہیں۔

حیدرآباد کی سیاسی و معاشی امور کے نسبت شائع ہوتے تو اکثر و بیشتر اس کے مدلل جوابات ان اخباروں میں شائع ہوتے تھے، اس طرح سلطنت آصفیہ کی بڑی خدمت ان اخباروں نے انجام دی ہے۔

رسالہ سفینہ مدرسہ اعظم کے طلبہ کا یہ سہ ماہی رسالہ تھا، علمی، ادبی، تاریخی اور اخلاقی مضامین شائع ہوتے تھے، غالباً دو سال تک یہ جاری رہا اس عرصہ میں اس نے اردو کی اچھی خدمت انجام دی تھی۔

سہیل یہ ہفتہ وار اخبار ہے جو گزشتہ سال سے شائع ہو رہا ہے ابو الجلال ندوی صاحب اس کے مدیر ہیں، قابل مدیر کی ذات سے توقع ہے کہ یہ اخبار ترقی کریگا۔

ہم ذیل میں اس کی عبارت کا نمونہ پیش کرتے ہیں تاکہ موجودہ زمانہ میں مدراس کے اردو اخبارات کی طرز تحریر اور اسلوب بیان کا اندازہ کر سکے۔

"عدن اب تک حکومت بمبئی کے ماتحت تھا، برطانیہ نے جب ہندوستانیوں کی تحریک سے مجبور ہو کر ہندوستان میں برائے نام اور محض بظاہر ذمہ دار حکومت کی تاسس کا قریب ضروری سمجھا تو ساتھ ہی یہ بھی طے کر لیا کہ عدن کو ہندوستان سے الگ کر دینا چاہیئے تاکہ عدن کے معاملات میں جن کو برطانیہ کی عربی پالیسی کے ساتھ گہرا تعلق ہوگا، ہندوستان کی پارلیمنٹ کو دخل دینے کا موقعہ نہ رہے۔" ۱۰ جولائی ۱۹۳۶ء

رفیق یہ مدراس کا ماہوار اخبار ہے، آٹھ صفحہ پر شائع ہوتا ہے، مختلف مسائل حاضرہ پر مختصر نوٹ ہوتے ہیں بعض مختصر مضمون میں ہوتے ہیں، عبارت کا نمونہ حسب ذیل ہے۔

"مسلمانوں کی اسباب پستی میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ ہر طرف سے ہاتھ دھو کر ملازمت کے پیچھے پڑ گئے ہیں تجارت کرنے سے انہیں ننگ اور ہنر و فن کو

ذریعہ معاش بنانے سے انہیں عار ہے، مگر پانچ روپیہ کی ملازمت بھی کیوں نہ ہو باعث فخر خیال کی جاتی ہے۔

مشاہدہ بتلاتا ہے کہ سینکڑوں مسلمان ملازمت کی خواہش میں در در کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں مگر ملازمت نہیں ملتی خصوصاً انگریزی پڑھے لکھے تو ملازمت پر جان نچھاور کرتے ہیں، فاقہ کرنا بلکہ جان سے ہاتھ دھونا پسند کرتے ہیں لیکن ملازمت کی محبت کو دل سے نکال کر نہیں پھینکتے۔" (ربیع الاول ۱۳۵۵ھ)

مصحف یہ ماہوار رسالہ ہے جو عمر آباد ضلع شمالی ارکاٹ سے پابندی کے ساتھ شائع ہوتا رہا ہے، مصحف ظاہری اور باطنی خوبیوں سے آراستہ ہے، یہ صوبہ مدراس کا پہلا رسالہ ہے جو ظاہری امور یعنے کاغذ کتابت اور طباعت میں دیدہ زیب ہے اور اس کے ساتھ ساتھ باطنی امور یعنے مضامین نظم و نثر کی خوبی اور عمدگی کے لحاظ سے بھی مملو ہوتا ہے، اس رسالہ میں نہ صرف شمالی ہند اور حیدر آباد کے اہل قلم اصحاب کے افکار شائع ہوتے ہیں بلکہ صوبۂ مدراس کے اہل قلم بھی اس کے مضمون نگار ہیں، اس رسالہ نے اپنی دو سالہ زندگی میں یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ مدراس میں بھی نہ صرف اردو مروج ہے بلکہ وہاں بھی اردو کے صاحب زبان موجود ہیں، یہ امر مبالغہ نہیں ہے کہ رسالہ مصحف اس وقت کے اردو رسالوں میں جو شمالی ہند اور پنجاب سے شائع ہوتے ہیں کسی طرح کم نہیں ہے۔

مصحف کے افسانے، ادب لطیف کے مضامین، مذہبی، علمی، تاریخی مضامین اخلاقی فلسفی بیانات، اس کی نظمیں، غزلیں، رباعیات غرض سب کچھ قابل داد ہوتے ہیں اس کامیابی کا سہرا اس کے قابل مدیر مولانا شاکر نائطی اور معین مدیر مولوی

سید صبغۃ اللہ بختیاری کے سر ہے توقع ہے کہ یہ رسالہ صوبہ مدراس میں اُردو زبان کی خدمت گزاری میں مفید ثابت ہوگا۔

جلوۂ سخن یہ بھی ماہوار رسالہ ہے جو بورنگ پیٹھ علاقہ مدراس سے شائع ہوتا ہے حکیم عبدالغفار صاحب اور مولانا محوی اس کے صدر نگران ہیں رسالہ میں ادبی تنقیدی مضامین کے علاوہ طرحی اور غیر طرحی غزلیں اور نظمیں شائع ہوتی ہیں اس کے قابل صدر نگران کی ذات سے امید ہے کہ یہ رسالہ بھی کامیاب ہوکر رہے گا۔ امید ہے کہ اس مختصر تفصیل سے مدراس کے اُردو اخبارات اور رسائل کے حالات معلوم ہوجائیں گے۔

مدراس کی انجمنیں مدراس کی بعض انجمنوں کا ذکر بھی اس موقع پر ضروری ہے جنہوں نے اُردو کی ترقی میں حصہ لیا ہے۔

سب سے پہلے ہم کو اس انجمن کا ذکر کرنا چاہیئے جو طلبہ مدرسہ اعظم نے ۱۹۲۸ء میں قائم کی تھی، یہ انجمن چند سال تک قائم رہی، دو ایک سالانہ جلسے بھی بڑے شاندار پیمانہ پر ہوئے، اس کی صدارت کے لئے باہر سے ارباب علم طلب کئے جاتے تھے چنانچہ مولوی وحید الدین سلیم مرحوم اور مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب حیدرآباد سے بحیثیت صدر تشریف لے گئے تھے، انجمن کی کوشش سے رسالہ سفینہ شائع ہوا کرتا تھا افسوس ہے کہ انجمن کے روح رواں کے انتقال کے بعد یہ انجمن ٹوٹ گئی۔

موجودہ زمانہ میں صرف دو انجمنیں اُردو کی ترقی میں کوشاں ہیں، (۱) انجمن ترقی اُردو، جو صدر انجمن ترقی اُردو ہند کی شاخ ہے، اس کے صدر محمد علی ایم اے (کینٹنب) قصوری تاجر چرم ہیں، اور سکریٹری کے فرائض دو اصحاب کے

ذمہ ہیں، یعنی مولانا سید عبدالوہاب صاحب بخاری ایم اے افضل العلماء، پرنسپل مدرسہ جمالیہ اور مولانا محمد حسین صاحب صدیقی محوی اس انجمن کے تحت چند مدارس ہیں جو اردو کی ابتدائی تعلیم دیتے ہیں۔ (۲) ایک اور دوسری انجمن ترقی اردو بھی قائم ہے جس کی جانب سے ماہوار ایک مشاعرہ ہوتا ہے، ہر مشاعرہ کا صدر مدراس کا کوئی سربرآوردہ شخص ہوتا ہے۔

مدراس میں ایک انجمن حمایت الاسلام بھی قائم ہے، اور اس نے دینیات کے چند رسالے شائع کئے تھے، جو مدراس کارپوریشن کے ابتدائی اسکولوں کے نصاب میں شامل ہیں۔

اسکولوں کے لئے چند اردو کی کتابیں مدینہ پریس مدراس کی جانب سے شائع ہوئی ہیں، یوں تو مدراس میں کئی مطابع ہیں مگر خصوصیت سے مدینہ پریس، شاہی پریس بمبئی پریس اردو کی خدمت گزاری کے لحاظ سے قابل ذکر ہیں، ایک حقانی پریس بھی اعلیٰ پیمانہ پر قائم ہوا تھا، مگر افسوس، کام نہ ملنے کے باعث بند کردیا گیا۔[1]

---

[1] ان معلومات کے لئے ہم محترمی محوی صاحب کے ممنون ہیں۔

ساتواں باب

سدہوٹ میں اُردو

دکن کی اسلامی سلطنتوں نے اُردو زبان کی ترقی میں جو کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں وہ تاریخ سے پوشیدہ نہیں۔ بہمنیہ، عادل شاہیہ، قطب شاہیہ، آصفیہ سلطنتوں کے قطع نظر حیدر علی و ٹیپو سلطان رؤسا ارکاٹ اور قلعہ داران سدہوٹ نے بھی اُردو زبان کی خدمت کی ہے۔ یہاں قلعہ داران سدہوٹ کے کارنامے پیش کئے جاتے ہیں۔ مگر اس کی صراحت سے پیشتر ان کا تعارف ضروری ہے۔ لہذا اولاً مختصر طور پر قلعہ دارانِ سدہوٹ کی تاریخ پیش کی جاتی ہے۔

بہلول خان ساؤنوری عادل شاہی امیر تھا اس کی اولاد سے نبی خان عرف رن مست خان میانہ آخری شخص ہے جو بیجاپور میں صاحب عزت و مرتبہ امیر تھا۔ علی عادل شاہ ثانی (۱۰۶۷ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے زمانہ میں اس کے تین لڑکے اعظم خان رحیم خان اور کریم خان (جو عبدالرحیم خان اور عبدالکریم خان سے موسوم تھے) دربار بیجاپور سے کنارہ کشی کر کے اورنگ زیب کے ساتھ مل گئے اور خان جہاں کی وساطت سے دربار عالمگیر میں باریاب ہو کر منصب اور جاگیر سے سرفراز ہوئے۔

اعظم خان اپنے حسن تدبیر اور حسن کارگزاری سے اعلیٰ منصب پر فائز ہوا اور اپنے

بھائی کریم خان کو اپنا میر ساماں مقرر کیا۔ مگر رحیم خان نے کم مایہ گی سے برداشتہ خاطر ہو کر قطب شاہی سلطنت کی راہ لی۔ میر جملہ کے توسط سے سلطان عبداللہ کے دربار میں رسائی ہو کر منصب سہ ہزار سے سرفراز ہوا۔ بعض معرکوں میں داد شجاعت دے کر نام آوری حاصل کی۔ مگر زندگی نے وفا نہ کی۔

اس جگہ اس کا فرزند نیک نام خان مامور ہوا۔ بالاگھاٹ کے معرکہ میں میر جملہ کے ساتھ شریک رہا۔ واپسی میں قلعہ سدھوٹ کا محاصرہ ہوا مگر "نائک پالیگار" نے صلح کر لی میر جملہ پایان گھاٹ کی تسخیر کے لئے روانہ ہوا۔ نیک نام خان کو اس کے عمدہ خدمات کے صلہ میں نہ صرف پرگنہ چھپور جاگیر میں ملا بلکہ علم۔ نوبت اور نقارہ سے بھی سرفراز کیا گیا۔ میر جملہ کی روانگی کے بعد نیک نام خان نے قرب وجوار کے دیگر مقامات مثلاً کنچی کوٹہ۔ بدویل۔ جمل مڑگ وغیرہ فتح کئے اور آخر میں قلعہ سدھوٹ بھی تسخیر کر لیا۔ اس کامیابی کے صلہ میں دربار قطب شاہی سے مزید پچاس لاکھ سالانہ محاصل کی جاگیر تعلقہ کنچی کوٹہ۔ چپور وغیرہ مل گئی۔

نیک نام خان نے قلعہ سدھوٹ کو اپنا مستقر بنایا اور اس کے باہر جہاں ایام محاصرہ میں میر جملہ کا کیمپ تھا ایک نیا شہر آباد کر کے اپنے نام پر نیک نام آباد سے موسوم کیا۔ اس عرصہ میں بیجاپور اور گولکنڈہ سلطنت دہلی میں شامل ہو چکے تھے داود خان پنی فرزند خضر خان عالمگیر کی جانب سے ذوالفقار خان کی نیابت میں کرناٹک کا صوبہ دار مقرر ہو تھا جب یہ نیک نام آباد پہنچا تو چند روز یہاں قیام کیا کیونکہ نیک نام خان بیمار تھا آخر ش اس کا انتقال ہو گیا داود خان نے اس کے بھانجے لعل خان کو اس کا جانشین نامزد کیا۔ جب عالمگیر کے بعد محمد معظم اور محمد اعظم کی خانہ جنگیاں ہوئیں تو اس زمانے میں

اعظم خان اور کریم خان نے (جن کا قبل ازیں ذکر کیا گیا ہے) خاصی ترقی کی۔ محمد معظم بہادر شاہ کی جانب سے مردانہ وار لڑے اور دونوں مارے گئے چونکہ اعظم خان کی کوئی اولاد نہ تھی اس لئے عبدالنبی ابن کریم خان دربار مغلیہ کی جانب سے سرفراز کیا گیا۔ اس کی اولاد کے چھ شخصوں نے تقریباً خود مختارانہ ۱۱۹۱ھ تک سدہوٹ میں حکمرانی کی۔

عبدالنّبی خان عبدالنبی خان ابن عبدالکریم خان جو عبدالرحیم خان کا داماد بھی تھا مغلیہ سلطنت کی جانب سے سدہوٹ کا قلعہ دار بنایا گیا۔ اس کی دلاوری اور کامیابی کے متعلق ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ جس وقت عبدالنبی خان کو دربار سلطانی میں طلب کیا گیا اس وقت عزیز خان (جو تیک نام خان کا خواص زادہ تھا) نے جانشینی کا دعویٰ کیا۔ دونوں دعوے داروں کے سامنے ایک شیر چھوڑا گیا۔ عزیز خان تو شیر کا لقمہ بن گیا مگر عبدالنبی خان نے اس کو ہلاک کر دیا۔

غرض کہ عبدالنبی خان قلعہ دار بن گیا۔ اپنے لواحقین اور ماتحتین کو انعام و اکرام سے سرفراز کیا زمینداران قرب وجوار پر (جو پالیگار سے موسوم تھے) فوج کشی کر کے اپنے علاقے کو وسیع کر لیا۔ نوآباد شہر کو بجائے جدید نام تیک نام آباد کے اس کے قدیم نام "کرپہ" سے موسوم کیا۔ یہاں جدید محلے اور قصر تعمیر کئے دلکشا باغ لگائے۔ علم و ہنر کی ترویج کی محمد بن رضا اسی کے دربار کا شاعر تھا جس نے قصیدہ بُردہ کا دکھنی نظم میں ترجمہ کیا۔ ۱۱۲۷ھ میں عبدالنبی خان کا انتقال ہوا۔ چار لڑکے اپنی یادگار چھوڑے یعنی عبدالمحمد خان عبدالحمید خان محسن خان عرف موچا میاں اور حسینی میاں۔

عبدالمحمد خان
از ۱۱۲۷ھ تا ۱۱۳۶ھ

اگرچہ نابینا تھا مگر باپ کے بعد جانشین ہوا۔ بھائیوں نے اطاعت کی فہم و فراست عقل و دانش میں کامل تھا۔ خویش و بیگانہ کو تالیف قلوب سے

گرویدہ کرلیا۔

اسی زمانے میں جب داؤد خان برہان پور میں قتل ہوگیا تو خان جہاں خان نے سید عرب خان کو کرناٹک کی طرف انتظام کے لئے روانہ کیا۔ عبدالمحمد خان نے اول تو دوستی ظاہر کی مگر جب کریہ کے قریب پہنچ گیا تو اپنے بھائی عبدالحمید خان کے تحت ایک لشکر لڑائی کے لئے روانہ کیا جب اس کو کامیابی نہیں ہوئی تو خود ایک ہزار آہن پوش سواروں کے ساتھ مقابلہ کے لئے آیا عرب خان پر فتح پائی اس کو قتل کردیا اس طرح گویا مغلیہ فوج پر فتح یاب ہوکر کامیاب ہوا۔ اس کے بعد چبل ورک کے زمینداروں پر فوج کشی کرکے کامیاب ہوا۔

اب نواب قمرالدین خان آصف جاہ اول صوبہ دار دکن ہوکر اورنگ آباد آئے ان کے حسب الطلب عبدالمحمد خان دربار آصفی میں حاضر ہوا شکر کھیرہ کی لڑائی میں آپ کا ساتھ دیا بہادری دکھائی جس کے باعث مورد عنایت آصفجاہ ہوا آپ کے حیدرآباد کی جانب متوجہ ہوتے پر اجازت لے کر اپنے مستقر کو روانہ ہوا اس کے چند روز بعد مرہٹوں کی جنگ میں سرخ رو ہوا ۔ ۱۱۳۶ھ میں انتقال کیا۔

عبدالحمید خان
از ۱۱۳۶ھ تا ۱۱۵۹ھ

بھائی کی جگہ مسند قلعہ داری پر متمکن ہوا۔ آصفجاہ کی اطاعت اختیار کی چند روز تک شریک رزم و بزم ہوا۔ جس وقت آصف جاہ اور ناصر جنگ (باپ بیٹے) میں جنگ ہوئی تو اس نے بیٹے کا ساتھ دیا۔ جنگ ختم ہونے پر آصفجاہ نے چشم پوشی کی بلکہ ۱۱۵۷ھ میں جب پائیں گھاٹ کے بندوبست کے لئے روانہ ہوئے تو اس کو مرحمتوں سے سرفراز فرمایا۔ نتھر نگر (ارکاٹ) کی واپسی پر عبدالحمید خان نے رخصت چاہی۔ اپنے مستقر کو واپس ہوا۔ اور چند روز کے بعد

۱۱۵۹ھ میں انتقال کیا۔

عبدالحمید خان کے عہد میں شہر سدہوٹ کو خاصی ترقی ہوئی۔ نئی نئی عمارتیں بنیں باغات لگائے گئے۔ علم وفن کی سرپرستی کی گئی۔ شعروشاعری کا چرچا تھا۔ قلعہ دار کے سوا امراء، دربار کو بھی اس کا شوق تھا۔ محمد حیدر ابن جعفر اسی عہد کا مشہور شاعر ہے جس نے ابن نشاطی کے پھول بن کا اضافہ کیا۔

محسن خان بھائی کی جگہ مسند نشیں ہوا۔ فرانسیسیوں سے (جو اس زمانے میں پھلچری میں تھے) مدد لے کر زمینداران جڑلہ وغیرہ پر فوج کشی کی اس کے بعد بیگن پلی کے قلعہ دار میر غلام علی خان عرف کلو پر چڑھائی کی مگر شکست پائی دوبارہ اپنے بھتیجے عبدالمجید خان کی سرکردگی میں پیش قدمی کی۔ فرنچ فوج بھی ہمراہ تھی۔ بیگن پلی فتح ہوا قلعہ دار نے پیش کش ادا کی اور نذرانہ دینا قبول کیا۔

۱۱۶۱ھ میں جب آصفجاہ اول کا انتقال ہوا ناصر جنگ جانشین ہوئے۔ ہدایت محی الدین خان مظفر جنگ اور ناصر جنگ کی لڑائی ہوئی۔ چندا صاحب اور فرانیسیوں نے مظفر جنگ کا ساتھ دیا۔ اس وقت محسن خان اول تو غیر طرف دار رہا مگر اس کے بعد ناصر جنگ کی حمایت کے لئے روانہ ہوا اثنائے راہ میں بگاڑ ہو گئی ناصر جنگ شہید ہو گئے۔ مظفر جنگ فرانیسیوں کی مدد سے دکن کے حکمران ہو کر حیدرآباد کی جانب روانہ ہوئے۔ رائچوٹی کے مقام پر فرانسیسوں اور افغانوں میں بگاڑ ہو کر خانہ جنگی برپا ہوئی مظفر جنگ مارے گئے۔ محسن خان اونٹ پر سوار ہو کر سدہوٹ کو فرار ہو گیا، اور وہاں اپنے ملک کے انتظام مالی وملکی میں مصروف رہا مظفر جنگ کے مارے جانے کے بعد نواب صلابت جنگ جو آصفجاہ اول کے

تیسرے فرزند تھے۔ دکن کے حکمران ہوئے اور فرانسیسوں کی فوج کے ساتھ ان کی حمایت میں حیدرآباد روانہ ہوئے۔

عبدالمجید خان | چونکہ محسن خان نے ملازمین کی تنخواہیں کم کردی تھیں اس لئے امراء نے بددل ہوکر اس کو مقید کردیا اور عبدالمجید خان ابن عبدالحمید خان کو حکمران بنایا۔

حکمرانی کے بعد عبدالمجید خان نے اول تو قلمرو آصفی پر تاخت کا ارادہ کیا مگر پھر پالیگاران بالاگھاٹ کی جانب متوجہ ہوا۔ کھٹ کیر، ہنکینور، مدن پلی وغیرہ مقامات فتح کئے۔ اس کے بعد بلونت راؤ مرہٹہ نے سدھوٹ پر فوج کشی کی۔ ایک مرتبہ مرہٹوں نے عبدالمجید خان کی ہمشیرہ کے بدرقہ پر چھاپا مارا۔ اس واقعہ کی اطلاع پاکر عبدالمجید خان برافروختہ ہوا مرنے مارنے پر آمادہ ہوکر قلعہ سے نکلا اس امر کی منادی کردی جو شخص مرنے کے لئے تیار ہے وہ ساتھ چلے اور جس کو جان و مال کی تمنا ہے وہ ساتھ نہ ہو۔ ایک ہزار افغان ہمراہ ہوئے قلعہ کی حفاظت کے لئے فرانسیسی فوج چھوڑی گئی مرہٹوں کی تعداد کئی ہزار تھی۔ اس کے مقابل افغان صرف ایک ہزار تھے بریں ہم بڑے معرکہ کا رن پڑا۔ صدہا آدمی قتل ہوئے بڑی جوانمردی اور جانبازی کے بعد خود عبدالمجید خان قتل ہوا لاش سدھوٹ لائی گئی اور باپ کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا

اس کے زمانے میں بھی دکھنی شعر و شاعری کا رواج تھا۔ ولی ویلوری اسی کے دربار کا شاعر تھا جس نے اس کے عہد میں اپنی مشہور مثنوی رتن پدم کی تصنیف کی۔

محسن خان | عبدالمجید خان کے مارے جانے پر محسن خان دوبارہ حکمراں ہوا۔ اس عہد میں پالیگار، رائے درگ وغیرہ مفتوحہ ممالک پر قابض ہوگئے۔

اور فرانسیسیوں کی تنخواہ کئی ماہ سے ادا نہیں ہوئی تھی جس کے باعث وہ بھی جنگ پر آمادہ ہوگئے سرور خان متبنیٰ لڑکے نے ان کا ساتھ دیا مگر جنگ کی نوبت نہیں آئی تنخواہ ادا کردی گئی۔ فتنہ فرو ہوا۔ کچھ عرصہ بعد پالیگاران سے وصولی پیش کش کے لئے روانہ ہوا۔ اثناء راہ میں پیمانۂ عمر لبریز ہوگیا لاش کڑپہ میں لاکر دفن کی گئی۔

عبد الحلیم خان

محسن خان کی کوئی اولاد نہیں تھی عبد المجید خان کا لڑکا عبد الحلیم خان جانشین ہوا۔ سرور خان فوج فراہم کرکے مقابلہ کے لئے آیا مگر کامیابی نہیں ہوئی اس کے بعد پالیگاران سے مقابلے ہوئے پھر حیدر علی والی میسور نے حملے شروع کردئے آخرکار ۱۱۹۱ھ میں سدہوٹ بھی فتح ہوگیا عبد الحلیم خان کو معہ متعلقین گرفتار کرکے گنجام کے قلعہ میں مقید کیا گیا اور حیدر علی کی جانب سے علی رضا خان سدہوٹ کا قلعہ دار بنایا گیا۔

عبد الحلیم خان کے داماد سید محمد نے فوج فراہم کی اور انگریزوں سے جو مچھلی بندر میں تھے مدد لیکر ۱۱۹۷ھ میں اپنے آبائی ملک کی واپسی کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوا حیدرآباد فرار ہوکر آیا یہاں چند روز کے بعد انتقال کیا۔

اس طرح سدہوٹ ۱۱۹۱ھ میں میسور میں شامل ہوگیا اس کے بعد ۱۲۰۸ھ میں نظام الملک آصف جاہ ثانی نواب میر نظام علی خان نے اس کو فتح کرلیا اور ۱۲۱۵ھ میں انگریزی فوج کی تنخواہ کے لئے سرکار کمپنی کو دیا گیا جو آج تک گورنمنٹ مدراس کے تحت میں ہے[۱]۔

---

[۱] حالات بالا حسب ذیل تاریخوں سے اخذ کئے گئے ہیں۔
(۱) تذکرۃ البلاد والحکام مصنفہ حسن علی کرمانی مرتبہ ۱۲۱۵ھ (مخطوطہ) (۲) نشان حیدری مصنفہ حسن علی کرمانی مرتبہ ۱۲۱۰ھ (مخطوطہ)
(۳) سوانح دکن مصنفہ منعم خان مخطوطہ (۴) حدیقۃ العالم (مطبوعہ)

اس تفصیل سے واضح ہو سکتا ہے کہ ان قلعہ داروں کی پوری مدت جدال و قتال میں بسر ہوئی شروع سے آخر تک میدان جنگ سے فرصت نہیں ملی۔ ان کو اتنا موقع نہیں ملا کہ اطمینان اور دلجمعی سے کسی علمی کام میں مصروف ہوتے اور علم و ہنر کی ترویج کی جانب متوجہ ہوتے۔ باوجود ان تمام امور کے جب ہم اردو ادبیات میں ان کے کارہائے نمایاں کو دیکھتے ہیں تو ہم کو ان کی علمی قدر دانی اور علمی سرپرستی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ باوجود اپنی جنگی مصروفیت کے انہوں نے بہت کچھ کیا۔

اردو کی ترقی میں انہوں نے جو حصہ لیا اس کی پوری تفصیل اس لئے ناممکن ہے کہ زمانے کی دست برد سے تصنیفات معدوم ہو چکی ہیں۔ شعراء اور مصنفین کے نام پوشیدہ ہو چکے ہیں۔ ان کے کارنامے گوشہ گمنامی میں پنہاں ہیں۔ مگر جو کچھ بھی ہے۔ وہ اس امر کے لئے کافی ہے کہ ان کے سرپرستوں کے ناموں کو زندہ رکھے اور تاریخ اردو میں ان کو مناسب جگہ دی جائے۔

اب ہم اس دور کے شعرا کا کلام پیش کرتے ہیں۔

محمد بن رضا اس زمانہ کا ایک شاعر محمد بن رضا تھا، اس کے تفصیلی حالات کی ہمیں خبر نہیں ہے، عبد النبی خان کے زمانہ میں موجود تھا، قصیدہ بردہ[۱] کا دکھنی میں ترجمہ کیا ہے، نمونہ کلام درج ہے :-

حمد حق کا کرا مل تو صفحہ دل پر رقم ۔۔۔ نام پاک اس پاک کا ہے زینت لوح و قلم

خاک راہ اس شاہ کے درگاہ عالیجاہ کا ۔۔۔ ہو نقیب دل سوں اس کا غلام بیدرم

خادم آل محمد یو محمد بن رضا ۔۔۔ رحمت باری تعالیٰ اس پہ ہے دم بدم

---

[۱] اس کا ایک مخطوطہ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں ہے، اور ایک نسخہ ہمارے بزرگ مولوی خلیل اللہ صاحب کے کتب خانہ میں تھا۔

نفسِ مضمون کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :-

اے محب کر یاد توں ہمسایۂ شہرِ سلم — جگ کے انجواں سوں ملا جاری کیا ہو دم بدم
یا چلی ہے بادِ خوش بو کاظمہ کے شہر تے — یا چمک بجلی کی دیکھا رات از کوہِ اضم
کیا ہوا تجھ چشم کوں جو بس کہے تو رو دیں زیاد — کیا ہوا تجھ دل کوں جو کہیں ہوش لے تو ہووے زیادہ غم
چاہے ہے عاشق اگر چھپاوے عشق تو چھپتا نہیں — دل جلے جب آگ سوں ہور جگ اچھیں سکے یا غم
عشق بن تو اشک نیں پڑتے نشان یار دیکھ — یاد کر کوہ و شجر کیوں چشم ہوئیں بیخواب جم

خاتمہ ملاحظہ ہو :-

ہو توں راضی اے خدا بوبکر ہور فاروق سوں — ہور عثماں ہور علی سوں جو انھا صاحب کرم
آل ہور اصحاب ہور سب تابعین سوں جو اچھے — صاحب تقویٰ و صافی ہور نکلکن و کرم
شاخ جہاڑاں کے ہلاوے جب تلک باد صبا — خوش کرے گا اونٹ کے تیں ساربان کر نغم
بخش یا رب توں گنہ قاری کے ہور شارح کے سب
بخش سامع ہور کاتب کین توں اے صاحب حرم

محمد حیدر

اس عہد کا دوسرا شاعر محمد حیدر ہے، اس نے "پھول بن" کا تکملہ کیا ہے ابن نشاطی کی پھول بن مشہور مثنوی ہے جو سلطان عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں ۱۰۶۶ھ میں لکھی گئی ہے۔

محمد حیدر نے (جو خود کو ابن جعفر سے مخاطب کرتا ہے) تقریباً تین سو شعر کہہ کر اس مثنوی کا گویا تکملہ کیا ہے۔

ابن جعفر عبدالحمید خاں کے دربار کا شاعر تھا عبدالکریم خان کی فرمائش پر اس نے یہ شعر لکھے ہیں۔ وہ بیان کرتا ہے کہ کریم خان کو قصے سننے کا شوق تھا جب اس نے

پھول بن کے قصہ کو سنا اور اس میں آخر پر ہمایوں فال اور سمنبر کی شادی کے حالات نہ پائے تو بہت افسوس کیا اور اس اُمر کی خواہش کی کہ اس کی تکمیل کی جائے ابن جعفر کو حکم دیا کہ اس کو مرتب کرے ۔

ابن جعفر کا اضافہ ابن نشاطی کے ذیل کے شعر کے بعد ہوا ہے ؎

عدالت کا رکھ اپنی سیس پر تاج ۔۔۔ فراغت سوں سدا کرتا رہا راج

ابتدائی اشعار ملاحظہ ہوں :۔

محمد حیدر جعفر زباں کھول ۔۔۔ پھل دریا سوں دل کی دربچن رول
سمنبر ہور ہمایوں شاہزادہ ۔۔۔ سکونت جب کئے اس ملک میں آ
اُنو آئے سو خوش خبری سنیا جب ۔۔۔ یو دیکھ شاہ عجم شاداں ہوا تب
رواں کر یوں محبت ساتھ خامہ ۔۔۔ لکھیا تب یول دتو کوں شاہ نامہ

قلعہ واران سد ہوٹ کی تعریف اور اپنے اشعار لکھنے کی صراحت بھی خاتمہ پر درج ہے ملاحظہ ہو :۔

صفت ان بزرگاں کی بیشتر ہیں ۔۔۔ ولیکن یاں کیا ہوں مختصر میں
مرد اُن کا امیر نامور ہے ۔۔۔ شجاعت اور سخاوت میں نشر ہے
بہوت آتے ہیں واں شہری شہر کے ۔۔۔ سدا جاتے نہیں سب مال زر لے
سگل آفاق میں وہ یوں ہے مشہور ۔۔۔ ہے جیون مشہور کہنکے اوج پہ سور
رہے قانون پر وہ بزرگاں کے ۔۔۔ ہے ظاہر سب امیراں میں جہاں کے
نواب عبد النبی خان کا ہے فرزند ۔۔۔ نواب عبد الرحیم کا وہ ہے دلبند
کرم کے بحر کا رختاں گہر ہے ۔۔۔ نواب بہلول خان کا وہ جگر ہے

نواب عبد الحمید ہے نام اس کا   عدل انصاف ہے جو کام اس کا

ابن جعفر کے اضافہ شدہ اشعار کا خلاصہ حسب ذیل ہے :-

شاہ عجم نے اپنے وزیر کے ہاتھ ہمایوں فال کے پاس اپنا نامہ روانہ کیا وزیر قطع منازل کرتا ہوا ہمایوں فال کے پاس پہنچا اور نامہ پیش کیا۔ اس کے بعد سمیر اور ہمایوں فال ملک عجم کو روانہ ہوئے۔ بادشاہ ملک عجم نے نہایت تپاک کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور دونوں کی شادی کا اہتمام کیا اور کاریگروں کے ہاتھ قصر تیار ہوئے جو روم اور شام کے نمونہ پر تھے اس کے بعد بادشاہوں اور امیروں کو دعوت نامے بھیجے گئے۔ پھر شادی شروع۔ ہلدی۔ مہندی۔ شب گشت کے بعد محفل عقد منعقد ہوئی۔ عقد کے بعد ضیافت شروع ہوئی اور محفل رقص و طرب کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد بار گشت ہوئی اور دلہن کے جہیز کی تفصیل بھی دی گئی ہے۔ شادی کے بعد کچھ عرصہ تک تو دولہا دلہن ملک عجم میں رہے اس کے بعد ہمایوں فال اپنے وطن کو روانہ ہوا باپ سے ملاقات ہوئی۔

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے شادی کے رسوم۔ ضیافت میں کھانوں کی تفصیل پھر جہیز کے سامان اور زیورات کی صراحت میں بڑی تفصیل سے کام لیا گیا ہے۔

بطور نمونہ کسی قدر کلام پیش کیا جاتا ہے۔

وزیر کوں بہوت لشکر دے کر سنگات   روانہ تب کیا نامہ بھی دے ہات

وزیر اس شاہ کن تھے تب وداع ہو   چلیا ہے جلد شہزادے طرف وو

ہر یک منزل مراحل قطع کرتا   ہر یک جنگل و بستی سوں گذرتا

کتے دن راہ چل کر اس وضع سوں   وہ شہزادے کے آ پونچیا شہر کوں

سو شہزادے کو نامہ شاہ دیتا   زبانی بھی سکل اظہار کیتا

شب گشت آئی جلوہ گر ہو　　نہ تھی شب بلکہ رشک روز تھی وہ

فلک پر آکے شاہ روم تا شام　　کیا جاری سگل اطراف احکام

گیا مغرب میں پھر کرنے کو شاہی　　چڑیا تخت فلک پر بدلا ہے

ہوا روپوش جب وو شاہ گل رنگ　　بھریا سب جگ میں آکر لشکر زنگ

مٹھائی بہوت خوش بادام کی کر　　جو سیو یاں ہور سموسے بھی رکھی بھر

مٹھائی میں تھے سموسے بہوت خوب　　اتھا بادام کا حلوہ بھی محبوب

ترنجی ہور نارنجی　مربا　　رکھے پیٹھے کا ہور بھی آم کالیا

اتھے انگور انجیر و اناراں　　پھنس ہور آم خربوزے بھی تھے داں

اتھے تربوزا ورشہ توت مرغوب　　ہر یک میوہ اتھا یک یک سے یک خوب

تداں فارغ ہوئے سب کھانے کھلا ہات　　عطر دانیاں بھی لائے پان خوش ذات

گلاب و عطر گل سب کوں دئے پان　　اوکے صدریاں کیتیں سب سوں ڈئے مان

تداں خلعت کیتن لائے ہیں نادر　　اتھے خلعت یک ستے یک فاخر

دئے ہر یک کوں اس کا مرتبہ دیک　　نہیں باقی رہیا مجلس میں کوئی یک

ولی ویلوری نواب عبد المجید کے دربار کا شاعر تھا۔

ولی ویلوری

ولی کا نام میر ولی فیاض ہے ویلور علاقہ مدراس کا رہنے والا تھا اولاً فوجی خدمت کے سلسلے میں قلعہ دار ساٹ گڈھ کا ملازم تھا اس کے بعد سدہوٹ آکر قلعہ دار سدہوٹ کی ملازمت اختیار کی۔ اس کے بعد اپنی جاگیر چنیٹہ پیٹھ (علاقہ مدراس) چلا گیا اور وہیں انتقال کیا۔ اس کی مثنوی روضۃ الشہدا ہے جو سنہ ۱۱۳۰ھ میں لکھی گئی۔ دوسری رتن پدم ہے۔

مثنوی رتن پدم میں چتوڑ کے راجہ رتن سین سرندیپ کی مہارانی پدماوت[1] کی عشقیہ داستان مذکور ہے۔ یہ نایاب مثنوی ہے اس کا ایک نسخہ شاہان اودھ کے کتب خانہ میں تھا جس کی صراحت اسپرنگر نے اپنی کیٹلاگ میں کی ہے، اس کی صراحت سے پایا جاتا ہے یہ ضخیم مثنوی ہے جس کے چار ہزار شعر ہیں۔

مولف اردوئے قدیم نے اسپرنگر کی وضاحت کو اپنی تالیف میں اردو کا لباس پہنایا ہے۔ جو اشعار پیش کئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں :۔

حراست خان امیر ایک نامور تھا سکونت گاہ اُس کوں سات گڑھ تھا
اتھا او اہل درد و نیک اعمال نفاقت ہیں اتھا میں اس کے خوشحال
قضا را دان سوں ہو قسمت نے برخاست سو آیا ہیں طرف کڑپہ کے دھر نسبت
نواب عبد المجید عبد الحمید ایک اتھا واں نامور صوبہ سعید ایک
سوا دبحر شجاع پروانہ لکھ کر نبلک نوکراں میں منسلک کر
تعین کر مجکوں سدہوٹ کو روانہ کیا وہ صاحب شمشیر تن زمانہ
سو حسب الحکم میں سدہوٹ کو آیا رنگارنگ واں تماشے میں نے پایا

اس مثنوی کی ابتدا حسب ذیل شعر سے ہے۔

خدایا تو ہے پاک پروردگار نرنکار وا تار و اچھی اتار[2]

(۲) ولی کی دوسری مثنوی روضۃ الشہدا ہے۔ یہ کوئی نایاب کتاب تو نہیں ہے متعدد مرتبہ بمبئی میں طبع بھی ہو چکی ہے مگر پھر بھی کمیاب ہے بلکہ اب مفقود ہے۔[3]

---

[1] پدماوت کے متعلق مختلف قصے لکھے گئے ہیں جن پر ہم نے ایک مضمون لکھا ہے۔ [2] اردوئے قدیم
[3] یورپ میں اس کے دو نسخے ہیں (یورپ میں دکھنی مخطوطات) اور راقم کے پاس بھی ایک نسخہ ہے۔

بقول بلوم ہارٹ بمبئی میں دو مرتبہ یعنی ۱۸۷۵ء اور ۱۸۷۹ء میں طبع ہوئی ہے۔
بقول مولف اردوئے قدیم اس کی تصنیف ۱۱۱۹ھ میں ہوئی ہے معلوم ہوتا ہے یہ سنہ مطبوعہ نسخوں سے اخذ کیا گیا ہے ہماری تحقیقات کے لحاظ سے اس کی تصنیف ۱۱۳۰ھ میں ہوئی ہے۔ ذیل کے شعر سے اس کی تائید ہو سکتی ہے

کیا ہوں ختم جب یو درد کا حال　　گیارا سو اوپر تھا تیسواں سال

ہماری نظر سے جو چار نسخے گزرے ہیں ان میں شعر اسی طرح ہے۔ مثنوی میں حسب رواج قدیم اول حمد ہے اس کے بعد نعت اس کے بعد بطور تمہید بیان کیا گیا ہے کہ ایک دن امام حسین علیہ السلام نئے کپڑے پہنکر آنحضرت صلعم کی خدمت میں تشریف لائے آپ نے ان کے شہادت کی خبر دی۔

نمونہ کلام پیش ہے۔ امام حسین کوفے کو روانہ ہوتے ہیں۔

لیے مسلم نے جو کوفیاں سوں بیعت　　لکھے تھے شاہ دین کوں یوں کتابت
کہ یہاں کے لوگ تم سو معتقد ہیں　　بولانے کوں تمارے سب بجد ہیں
لکھا جو او پڑے شاہ سرافراز　　گئے کوفے طرف چلنے کا تو ساز

عباس علمبردار کا دریائے فرات پر پانی کے لئے جانا:۔

عمر کے گئے ہزاران سار و پیدل　　انھنے آب فرات اوپر موکل
دیکھے عباس کوں جوں شیر دھتا　　نسنگ آتا ہے تیر کوں گھس تا
انگے آیا نچہ سو پیادے اُس دھیر　　لگے عباس اوپر چھوڑنے تیر
سپر لے سر پہ نیزہ کان پر دھر　　چلے عباس ان پر دین رگ رگ کر
کہے اس قوم کوں لے قوم نادان　　تمے سب کافراں ہیں نا مسلمان

چلے لے مشک کوں شہزادکھاندنے ۔۔۔ ملگ آسا رپیا دے رہ کوں باندنے
چلے عباس تیزی تھیل سنے دین ۔۔۔ لگاتے وار واران جھتلنی دمین
کیا یک غل ہیں اس بدبخت نوفل ۔۔۔ کیا عباس پر آتیغ نازل

حضرت امام حسین کا جنگ کرتے کرتے زخموں سے چور ہوجانا۔

دہن جو خشک تھا سو لہو میں ہوتر ۔۔۔ لگے سٹنے عزارے لہو کی سرور
سو حملہ کرکہ دیں جو دہر سوں کفار ۔۔۔ لگے کرنے بدن پر شاہ کے وار
لگے جب شر کے زخمان تن پہ سارے ۔۔۔ اچھلنے کوں لگے لہو کے فوارے
دیکھے نہیں ہاتھ میں ہلنے کوں قوت ۔۔۔ نہ کچھ تیزی میں ہے چلنے کوں قوت
بدل سوں ہات رکہ تب شاہ ناچار ۔۔۔ کھڑے رہے باگ لے تیزان کی اُسہار
عمر نے او ضعیفی کا دیکھا حال ۔۔۔ کیا بدبخت نے تب شاہ پر چال
کھے مولا نے اے بدبخت ملعون ۔۔۔ قتل کرنے مجھے آتا ہے اب تو ں
عمر اس بات سوں سٹ حیلہ بازی ۔۔۔ پھرایا شاہ سوں شمر ا کر تازی

اس تفصیل سے ولی ویلوری کے کلام کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے، اور ہم اس کو اس زمانہ کا ایک باکمال شاعر قرار دے سکتے ہیں۔

صفحات ماقبل میں سدہوٹ کی اردو کا حال لکھا جاچکا ہے، اس سے اس امر کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان قلعہ داروں نے بھی اردو کی سرپرستی کی ہے اور ان کے زمانہ میں اردو شاعری کی خدمت کی گئی ہے۔

آٹھواں باب

میسور میں اردو

ارکاٹ اور سدہوٹ کے بعد ہم اب میسور کی جانب متوجہ ہوتے ہیں دکن کے دوسرے حصوں کی طرح یہاں بھی اردو کی ترویج ہوئی ہے ۔ حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے زمانہ میں اردو کی بڑی سرپرستی ہوئی ان کے مختصر زمانہ میں کئی ایک شاعر خاک میسور سے پیدا ہوئے اور نظم و نثر کی کئی تصانیف لکھی گئیں۔

میسور کی اردو کا بیان سہولت کے مدنظر ہم دو فصل میں بیان کرتے ہیں۔

فصل اوّل

عہدِ حکومت حیدر علی اور ٹیپو سلطان

قبل اس کے کہ حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے زمانہ کی اُردو کو پیش کیا جائے، ان کے متعلق مختصر تاریخی وضاحت ضروری ہے۔

حیدر علی عربی النسل تھا اس کے آبا و اجداد ہندوستان آئے، سپاہ گری کو اپنا پیشہ قرار دیا۔ عادل شاہی سلطنت میں ملازمت اختیار کی، مگر کچھ عرصہ بعد اس خاندان کے تین بھائی محمد فتح اللہ، غلام حیدر، اور غلام علی بیجاپور سے نکل کر کولار پہونچے۔ محمد فتح اللہ نے دلیر خان "نواب سرا" کی ملازمت اختیار کی۔ غلام حیدر نے "سدگیر" کے راجہ بلراج کی اور غلام علی نے بالاپور میں ملازمتیں پیدا کیں۔ محمد فتح اللہ نے اپنی ملازمت ہی کے سلسلہ میں "چیتل درگ" کی جنگ میں شہادت پائی ان کے دو لڑکے شہباز صاحب اور حیدر صاحب اپنے چچا غلام حیدر کے پاس چلے آئے اور ان کے مرنے پر بلراج کی ملازمت اختیار کر لی۔ اس کے کچھ عرصے بعد راجہ بنگلور نے حیدر صاحب کو اپنی خدمت میں لے لیا جہاں انہوں نے کارہائے نمایاں انجام دیئے اور اپنی بہادری اور دلاوری سے راجہ کا تقرب حاصل کر لیا۔ اور حیدر نائک کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اُن کی اسی دلاوری اور شجاعت نے میسور کے راجہ

دل میں گھر کرلیا اور اس نے ان کو اپنے پاس طلب کرلیا۔ اس کے بعد حیدر نایک (حیدر علی) نے اپنے زور بازو سے ترقی کرتے ہوئے میسور کی سپہ سالاری حاصل کرلی اور راجہ کے لاولد مرنے پر میسور کی مسند حاصل کی اور ایک عرصہ تک خود مختار حکومت کرنے کے بعد انتقال کیا۔ ان کا جانشین ٹیپو سلطان ان کا قابل فرزند ہوا مگر گردش زمانہ نے اس کا ساتھ نہ دیا اپنے آبائی نقش قدم پر شجاعت اور جوانمردی کے ساتھ شہادت پائی۔ (۱۲۱۳ھ)[1]

ان کی حکومت کا زمانہ مختصر ہے مگر انھوں نے جو علمی خدمت انجام دی ہے وہ نظر انداز نہیں ہوسکتی۔

حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی عہد حکومت کا بڑا حصہ لڑائی اور جھگڑے میں بسر ہوا ان کو اتنا وقت نہیں ملا کہ اطمینان کے ساتھ علم و ہنر کی ترویج میں کوشاں ہوتے مگر یہ امر حیرت انگیز ہے کہ انھوں نے بہت کچھ کیا۔ خصوصاً زبان اُردو پر اپنا احسان چھوڑ گئے۔

جس وقت ان کی سلطنت کا آغاز ہوا اگرچہ اس زمانہ میں جنوبی ہند میں دکھنی زبان میں بہت کچھ ذخیرہ موجود تھا۔ نظم و نثر کی کتابیں موجود تھیں مگر پھر بھی عام طور پر فارسی کو امتیاز حاصل تھا۔ علمائے وقت عموماً فارسی میں اپنے تالیفات کیا کرتے تھے۔ غرض کہ دکھنی زبان عام طور سے مروج تھی مگر علمی ذخیرہ بہت کم تھا۔ باوجود اس حالت کے ٹیپو سلطان نے ایک بڑا کارنامہ انجام دیا اور اُردو زبان میں جدید اضافہ کیا۔

یہ وہ زمانہ ہے جب کہ فرانسیسی اور انگریز ہندوستانی فوج کو اپنی اپنی زبان میں

---

[1] حیدر نامہ مخطوطہ در انڈیا آفس

فوجی قواعد اور ضوابط کی تعلیم دیا کرتے اور آئین جنگ سکھاتے تھے اور یہ قواعد دان فوج ہر طرح غیر قواعد دان فوج پر سبقت رکھتی اور بوقت مقابلہ ان سے بازی لے جاتی۔

ٹیپو سلطان نے فوج کی تعلیم اور تربیت اور فنون حرب کے لئے یورپین قواعد کی خوبی معلوم کی اور اس کو فارسی زبان میں منتقل کر دیا۔ فوجی اصطلاحات۔ طریقہ معرکہ آرائی وغیرہ کے متعلق ایک کتاب ترتیب دی گئی جس میں تفصیل کے ساتھ ہر ایک امر کو ظاہر کیا گیا ہے، اس کتاب کا نام فتح المجاہدین ہے۔

اردو نظم

فتح المجاہدین میں فوجی نغموں کا بھی ذکر ہے مختلف اوقات کے لئے علحدہ علحدہ فوجی راگ قائم کئے گئے ہیں تاکہ فوج کے ارگن میں اس نغمہ کو گایا جائے اس کے لئے جو نظم مخصوص کی گئی ہے وہ اردو ہے اور اس کے مصنف زین العابدین ہیں ۱۱۹۶ھ میں اس کتاب کی تصنیف ہوئی ہے۔ کلام کا نمونہ پیش ہے۔

وقت آہستہ قدم (پشتو)

ملک ہندوستان میں دین کا وہی سلطان ہے
غرق جس کے آب خنجر میں فرنگستان ہے

کیا ہے نسبت جاہ و حشمت میں سکندر سے تجھے
بارگاہ قدر کا دارا تیرا دربان ہے

ہے وہی انسان کامل جس میں ہو معنی کی بو
نقش دیبائی وگرنہ صورت انسان ہے

صبح سویرے

فرنگ وزنگ تری تیغ سے کیوں نہ لرزاں ہو
کہ جس کے خوف دم میں برق ہر دم پا بہ داماں ہو
دعا کرتا ہے ہر یک مور جس وادی میں تو گزرے
کہ یا رب یہ جہاں داورِ زمانہ کا سلیماں ہو
لب ہر ذرہ میں یہ لفظ نکلے ہے بصد آمین
فلک پر مہر ہے جب تک زمیں پہ ٹیپو سلطاں ہو

وقت تبدیل فوج (توری)

بلبل ثنا کرے ہے جب گل کے گلستاں میں
میں خلق کا تیرے وصف کہتا پھروں جہاں میں

گر باد خلق تیرا گزرے چمن کے دل پہ
ہر خار بار لاوے صد دستہ گل خزاں میں

طاق بلند نشیاں ہے جائے نام کسریٰ
شہرا ہوا تیرا عدل از بسکہ اب جہاں میں

ٹیپو سلطان نے جس طرح فوج کے لئے قواعد و ضوابط بنائے تھے اسی طرح اصلاح معاشرت کے متعلق بھی انھوں نے کم ہمت جیت کی تھی رسم و رواج کے تبدیل کرنے اور اس میں اصلاح و ترمیم کرنے کے متعلق بھی احکام جاری کئے تھے مثلاً شادی بیاہ کے لئے ایک خاص قانون نافذ کیا تھا اس میں بھی جوگا نے شامل کئے تھے وہ اُردو میں مثلاً مہندی لگاتے وقت یہ اشعار گاتے جاتے تھے۔

خدا کے فضل اور عنایات سوں
محمد نبی کی برکات سوں

---

[1] ڈاکٹر حمید اللہ صاحب پروفیسر عثمانیہ کالج نے اس کتاب پر تفصیلی مضمون لکھا ہے جو مجلہ عثمانیہ جلد ۲ نمبر ۱ میں شائع ہوا ہے، مندرجہ صدر مواد اس سے اخذ کیا گیا ہے۔

بھی تائید چار یاراں کے تئیں | اتا لی عطرا و رچک کے تئیں
خدا کی مدد سوں لگا ؤں جتنا | کہ تا لال مرجان سو ہو دست و پا
آئے شادی ہوئے میمنت ان پہ | فلک پر رہے تا کہ شمس و قمر

جلوہ کے موقع پر جو اشعار گائے جاتے ان میں سے بعض یہ ہیں:-

حمد خدا کے بعد از صلوات پہونچا ہم | وقت اجابت ہے مانگوں دعا مقدم
آدم صفی و حوا جیسا تھے مل با الفت | کہ ایک کی یک اطاعت دائم رہیں و ہم
ویسا ہی رکھ لے داور نوشہ عروس کیتئیں | قایم بعیش و عشرت مسرور شاد باہم
جیسا کہ خلیل و سارا اور ہاجرا آسیا کوں | رکھ تو ہمیشہ یا رب الفت کیسا تھ ہر دم
مثل ذبیح و ہالا رکھتے تھے جوں با نسبت | او نکو بھی اونچھ رکھ توں الفت کے بیچ محکم
مہر و وفا سے موسیٰ جیسا تھے با صفورا | رکھ دو ونچھ ان دونوں کو باہم عزیز و اکرم
با مصطفیٰ امحبت الفت سوں کر اطاعت | جوں عائشہ خدیجہ رہتے تھے بس مکرم
روئے زمین یکسر مشرق سیں تا مغرب | اپنے کرم سوں کر تو سلطان کے زیر قائم
بر خسروان ماضی حال اور مضارع اوپر | دنیا و دین میں یا رب سلطان کوں رکھ اسم معظم

ٹیپو سلطان کے حکم سے ایک کتاب موسیقی کے قواعد اور ضوابط پر بھی مرتب ہوئی ہے اور اس کا نام مفرح القلوب رکھا گیا ہے، اس کے مصنف حسن علی عزت ہیں۔

اس کتاب میں عنوانات کے تحت بیان ہوا ہے۔ ہر عنوان میں عموماً اول فارسی غزل لکھی گئی ہے، اس کے بعد اردو ہے، کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو:-

---

۱؎ اس کی تفصیل ڈاکٹر حمید اللہ نے نظام گزٹ سالگرہ نمبر میں کی ہے۔ اس سے ماخوذ ہے۔

ریختہ اوّل

گلرخان کرتا ہوں سلاتی کا اب تم سوں بیان — ہی عجب کچھ طرز اس کا طرفہ تر ہے داستان

خوش شکل آواز خوب رو ہو تیغ نازک کلبدن — مہ لقا یک زن اچھی غنچہ دہن خندہ لبان

کر کے بر میں وہ لباس کار چوبی سفید — زیور الماس گوہر پہن ہو غنبر زبان

تخت پر استادہ ہو گا تے وہی وہ شکل خوب — دست جیب کوں رکھ کمر پر ناز سوں غنچہ دہن شان

ہی ادا نیلا دی سید بہات سوں او ماہر — رو برو اسکی رہی فوارہ اوڑتا ہر زمان

پانچ گلرو دوسرے سنگار و آرایش کو کر — دست بستہ ہے کھری رہین گرد مہ جون اختران

ریختہ سوم در ذکر طرز عشاق پسندی۔

ہی عشاق پسندی کا نادر بیان — زن خوش لقا قد ہیں سرو روان

ہی کر سبز پوشاک تن کے اوپر — زمرد کی زیور سی وہ جان جان

مکلل سراپا کراہی کی تین — کناری پہ جا نہر کی شادمان

کھری رہی بنا مشکل کانی کی سب — پہی طوطے پران جورا اور طائران

اوڑین سر پو اس کی بہت شوق سے — جون معشوق پہ ہوویں فدا عاشقان

پہنان کہول کر مار ہی تین چار — رہین روبرو اس کی جون بیدلان

کھری رہین نہیت مست و مدہوش ہو — کف اپنی دہان بیچ لا ہر زمان

طرب ٹیپو سلطان کے عہد کا طرب بھی ایک شاعر ہے، فتح نامہ کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے اس مثنوی کا خلاصہ اس طرح ہے:۔ متعلق اور مرہٹہ فوج بالاجی پنڈت اور ہری پنڈت اور ان کے لڑکے کی سرکردگی میں سرنگاپٹن کی جانب روانہ ہوئی جب ٹیپو کو معلوم ہوا تو نہایت خوشی کے ساتھ اپنی فوج لیکر

روانہ ہوا اور راستہ میں کئی قلعے فتح کئے۔ سلطان کی آمد سے بالاجی بھاگ کر پونہ میں
پوشیدہ ہو گیا ٹیپو نے ادہونی پر قبضہ کر لیا اور قلعے توڑ دیئے اور آگے بڑھ کر دریائے
تنگ بھدرا پار کیا یہاں غنیم کی فوج آئی شب خون حملہ ہوا مرہٹوں کو شکست ہوئی۔ اس کے
بعد پھر دریائے کرشنا پر جمع ہوئے ٹیپو نے آگے بڑھ کر قلعہ بہادر بندہ فتح کیا یہاں
ان کو مرہٹہ فوج سے امداد بھی ہوئی تھی مگر مرہٹوں کو پھر شکست ہوئی اور اس عرصہ
میں دریائے کرشنا کے قریب والی فوج میں بلیگ نمودار ہوا اور آخر مرہٹوں نے صلح
کی درخواست کی ٹیپو کی جانب سے بدر الزمان خان بہادر اور محمد رضا خطیب روانہ
ہوئے آخر صلح ہو گئی اور سلطان نے بفتح و فیروزی ملک کو مراجعت کی۔

مثنوی میں حمد و نعت وغیرہ یا سلطان کی مدح نہیں ہے۔ بسم اللہ کے
بعد ہی نفس مضمون کو شروع کر دیا گیا ہے۔ کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے:-

عجائب سنو دوستاں داستاں — کہ جس کے بیاں میں ہے قاصر زباں
مرہٹہ مغل فوج سب جمع کر — خوشی سات سلطان کے سن یہ خبر
کئے سب نے یوں شرط سوگند ساتھ — لیویں ملک جلدی سوں اپنے ہاتھ
سبھی مال و ملک و دیار و حصار — دہاؤں میں لیویں بانٹ ہے یہ قرار

شب خون حملہ کا ذکر اس طرح کرتا ہے:-

ہوا چار پہر رات شبخون کر — گئے ان کے لشکر کو زیر و زبر
شتابان و گولوں کا ہو کر ہجوم — بر پا چو طرف ان کی لشکر میں دھوم
گھڑیا وقت ایسا قیامت مگر — ہوئے گویا قائم زمانے ادھر
انکھیاں ہل اوٹھے نیند سے تمام — لگے ڈر کو کہنے ارے رام رام

بلاکاں سوں آئی ہے یہ ناگہاں — کہ گویا پڑیا ٹوٹ کو آسماں

یہ گولے تہاباں و گولیاں کا مار — سہے بارش غضب کا مگر ٹھار ٹھار

غرض نفسی نفسی کا تھا وہ مقام — قیامت کی تھی رات گویا تمام

ہوئی صبح جب شاہ خاور زمیں — نکل سب کے پردے سوں سب رزم و کیں

تہاباں و بندوق چلنے لگے — غضب کے پٹاخوں نے پھٹنے لگے

ہوویں جب تہاباں نے چل کر تمام — نکل اس سے گولے کرے اپنا کام

محمد اسحاق

مولوی محمد اسحاق اسی دور کے شاعر ہیں، انہوں نے ۱۲۰۶ھ میں ایک مثنوی "ریاض العاشقین"[1] کے نام سے لکھی ہے، جس میں اخلاقی گیارہ باب قائم کئے ہیں، ہر باب میں اولیاء و علماء اور سلف صالحین کے قصے اپنی تائید میں پیش کئے ہیں، مولوی محمد اسحاق کے متعلق ہمیں کوئی معلومات حاصل نہیں ہیں البتہ صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ علاقہ میسور سے ان کا تعلق تھا۔ کلام کا نمونہ پیش ہے اس کتاب کو فارسی سے اردو میں نظم کیا گیا ہے چنانچہ کہتے ہیں :-

فارسی سے تھی نثر یہ آشکار — میں کیا اس کو نظم سے زیبدار

فارسی کی بحر کی سیپی اندر — تھے چھپے یہ بے بہا لعل و گہر

میں تہنگ قلزم اخلاص ہو — فارسی کے بحر کا غواص ہو

لایا باہر لعل و گوہر بحر سے — رکھ دیا بازار دکھنی میں اسے

قاصد راہ سخن چابک خرام — تھا جیسے ملک روایت میں مقام

کہ امیر المومنین شاہ جہاں — شمع فانوس سرائے لامکاں

ابن عم و زور بازوئے رسول — حامی دین خدا زوج بتول

[1] اس مثنوی کا ایک مخطوطہ دفتر دیوانی سرکار نظام میں ہے اور طبع بھی ہوا ہے۔

شیر یزداں ٹیپو لائے باشرف   شاہ مرداں رونق شہر نجف
تھے ریاضت اور عبادت میں مدام   غیر طاعت تھا نہیں کچھ اور کام

نثر

نظم کے بعد ہم اس عہد کی نثر کا نمونہ پیش کرتے ہیں، فقہ، تاریخ وغیرہ کئی فنون میں کتابیں لکھی گئی ہیں، بعض کتابوں کا یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱) حیدر نامہ ۔ یہ حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے عہد حکومت کی تاریخ ہے جو نثر اردو میں لکھی گئی ہے مصنف کے نام کا ہنوز صحیح پتہ نہیں چلا اور نہ تاریخ تصنیف کا اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں ہے اور ایک نسخہ انڈیا آفس میں ہے، انڈیا آفس والا نسخہ صرف حیدر علی کے انتقال پر ختم ہوتا ہے۔ مگر برٹش میوزیم والے نسخہ میں ٹیپو سلطان کی شہادت تک واقعات درج ہیں۔

اس کتاب میں اول اس امر کا ذکر کیا گیا ہے کہ حیدر علی کے پہلے میسور کے راج کی کیا حالت تھی اور راجہ کے پاس کس قدر ملک باقی رہا تھا اس کے بعد حیدر علی کے خاندانی حالات اور ابتدائی واقعات کا ذکر ہے جس میں ناصر جنگ اور ہدایت محی الدین خان مظفر جنگ کی لڑائی کا تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور پھر چندا صاحب نواب ارکاٹ اور ان کی لڑائیوں کا ذکر کرنے کے بعد میسور کے راجہ کا مرہٹوں سے جنگ کرنا اور حیدر علی کا عروج پانا بتایا گیا ہے۔ اور اس کے بعد تفصیل کے ساتھ حیدر علی کے انتظام حکومت جنگ وغیرہ کا بیان ہے۔ حیدر علی کے آخری واقعات ارکاٹ فتح کرنے کے لئے فرانسیسیوں سے امداد طلب کرکے جنرل کوٹ سے لڑائی کا حال ہے اس کے بعد حیدر علی کے مرنے اور ایک چوبدار ابو محمد نام کی

عقلمندی اور جان نثاری کے حالات درج ہوئے ہیں کہ کس طرح اس نے حیدر علی کی موت فوج سے مخفی رکھی اور ٹیپو سلطان کو جو وہاں موجود نہیں تھے طلب کیا اور اُن کی مسند نشینی کے حالات ہیں ۔

مسند نشینی کے بعد ٹیپو سلطان نے ادھونی کے قلعہ کو فتح کیا، مرہٹوں اور آصفجاہ ثانی سے مقابلہ ہوا، پھر انگریزوں سے مقابلے شروع ہوئے ۔ ستی منگل کی جنگ کے بعد صلح ہوگئی، قلعہ بنگلور انگریزوں کو دیا گیا، اس کے بعد انگریزوں سے دوسری جنگ ہوئی اور نندی ورگ پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا، اس کے بعد صلح ہوئی، ٹیپو سلطان نے اپنے بچوں کو انگریزوں کے یہاں یرغمال رکھا، اس کے کچھ عرصہ بعد پھر انگریزوں سے تیسری مرتبہ جنگ ہوئی جس میں ٹیپو سلطان شہید ہوئے ۔

عبارت کا نمونہ حسب ذیل ہے :-

"جب بزرگان نواب حیدر علی خان بہادر کے ملک عرب سے بیجاپور کو آئے اور کتنے ایک دن پیچھے بادشاہ بیجاپور کے سرکار میں نوکر ہوئے لیکن اس وقت یہ عمدہ اور معتبر سردار تھے اور ان کی تابعداری میں بہت لوگ تھے اس باعث اطراف کے ملکوں پر نام آوری اور بزرگی سے مشہور تھے اور یہ آپس میں تین بھائی تھے یعنی محمد فتح اللہ ۔ غلام حیدر ۔ اور غلام علی ۔ بڑے جوان مرد عقلمند تھے اپنی دانائی و باہوشی کے سبب سے بادشاہ کے دربار میں بہت مرتبہ و بزرگی پیدا کئے اور کئی برس تک اسی طرح اپنے اپنے کام پر مشغول و سرگرم تھے ۔"

(۲) خلاصہ سلطانی، اس کا دوسرا نام احکام النساء ہے، انڈیا آفس میں اس کے دو نسخے ہیں ۔

یہ کتاب نثر میں فقہ حنفی ہے اس کے مصنف قاضی غلام احمد ہیں جو ٹیپو سلطان کے عہد میں سرنگ پٹن کے قاضی تھے ۔

کتاب ابواب اور فصل میں تقسیم ہے ۔ اول نثر میں حمد و نعت ہے اس کے بعد ٹیپو سلطان کی مدح میں ایک غزل درج ہے ۔ اور پھر نفس مضمون آتا ہے جس میں اول اعتقاد کا بیان ہے پھر "شریعت" اور اس کے بعد طہارت وغیرہ کا ذکر ہے ۔

نثر کا نمونہ ملاحظہ ہو : ۔

"کہتا ہے کہ کتب معتبر میں لکھے ہیں کہ جو کوئی مسلمان ہو مسلمانی کے احکام سنن ضروریات دین کے نماز کے روزے کے حیض کے نفاس کے واقف نا ہوی ۔ نماز اس کی درست نہیں ہے ۔ اور نکاح ان کا جائز نہیں ہے کھانا ہور پانی ان کے ہاتھ کا روا نہیں ہے بلکہ امام ابو حفص بخاری کہتا ہے کہ کافر ہوتا ہے نعوذ باللہ منہا" ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "مریض کہ زیادتی سے مرض کے ڈرتا ہے اس کے تئیں افطار کرنا روا ہے مسافر کے تئیں جائز ہے کہ سفر میں افطار کرے اما اگر سفر میں محنت نہ ہوئی تو روزہ رکھنا مستحب ہے" ۔

(۳) جنگ نامہ[۱] یہ کتاب بھی نثر میں ہے ، اس کے مصنف کا نام معلوم نہ ہو سکا اس کی تصنیف ۱۱۹۶ھ و ۱۲۱۲ھ کے درمیان ہوئی ہے ۔

اس کتاب میں حیدر علی کے واقعات ہیں ، حیدر علی کے انتقال کرنے اور ٹیپو سلطان کے تخت نشین ہونے تک حالات بیان کئے گئے ہیں ۔ عبارت کا نمونہ

---

[۱] اس کا ایک مخطوطہ دفتر دیوانی و مال سرکار نظام کے کتب خانہ میں ہے ۔

حسب ذیل ہے :-

"راجہ میسور و سرنگ پٹن کا کل مختار تھا، اور نام اس کا کشن راج، دوسرا لقب کراچوری نندراج تھا۔ اس وقت ملک سرنگ پٹن کا بہت کم تھا اس دولت کی فوج زیادہ، اس واسطے طلب تنخواہ لوگاں کو اور سپاہیاں کو دینے بسر نہیں آتا تھا، اس واسطے راجہ تخت کا دیوان دیو راج اور صوبہ دار ویرانا کو بلا کر ایک روز مصلحت کیا"

دوسری فصل

انگریزوں نے ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد میسور کی حکومت ۱۷۹۹ء میں کرشنا راج کو دی، جن کا تعلق قدیم راجگان میسور کے خاندان سے تھا۔ ۱۸۶۵ء میں انہوں نے چمراج چیندر ودیار کو اپنا متبنّٰی لیا، ان کو مہاراجہ کرشن راج کے بعد ۱۸۶۸ء میں میسور کی گدی پر بٹھایا گیا اور ۱۸۸۱ء میں پورے اختیارات ان کے سپرد کئے گئے۔

موجودہ مہاراجہ میسور ہز ہائنس مہاراجہ سری کرشن راج ودیار بہادر چمراج چیندر ودیار مہاراج کے فرزند ہیں، ۴ جون ۱۸۸۴ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔ چمراج چیندر ودیار مہاراج نے ۱۸۹۵ء میں انتقال کیا۔ ہز ہائنس کی کم سنی کے باعث مہارانی صاحبہ ایجنٹ مقرر ہوئیں، اُس زمانہ میں سیشا دری ائیر کے سی آئی ای۔ دیوان ایک کونسل کے ذریعہ کام انجام دیتے رہے۔

۶ جون ۱۹۰۰ء میں مہاراجہ کرشن راج ودیار بہادر کی شادی کاٹھیاواڑ کی ایک راج کماری سوبھاگوتی پرتاپ کماری سے ہوئی۔ اگست ۱۹۰۲ء میں ہز ہائنس کو ریاست کے پورے اختیارات حاصل ہوئے۔

ریاست میسور کا رقبہ ۲۸ ہزار مربع میل ہے، اور آبادی ساٹھ لاکھ سے زیادہ ہے۔[1]

---

[1] صحیفۂ زرّین

ہز ہائنس مہاراجہ میسور ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ اور روشن خیال فرماں روا ہیں
آپ کے زمانہ میں میسور کو بڑی ترقی ہوئی، میسور یونیورسٹی کا قیام آپ کا وہ اعلیٰ
اور زرین کارنامہ ہے جس پر آئندہ نسلیں فخر کریں گی، اہل ملک کو تعلیم یافتہ بنانے
اور متمدن ممالک کی ہمسری کرنے کے لئے آپ کی سرکار ہمیشہ جد وجہد کرتی رہتی ہے
تعلیم کے ساتھ ساتھ صنعت وحرفت کی ترقی کے لئے کئی سرکاری کارخانے قائم ہیں،
صابون سازی، ریشم سازی وغیرہ کے کارخانوں نے کامیابی سے ترقی حاصل کی ہے
میسور میں سونے کی کان ہے، جس سے گورنمنٹ متمتع ہوتی ہے قدرتی
آبشارہ ہیں بعض سے بجلی بنائی جاتی اور تمام میسور میں اس کے ذریعہ بجلی کی
سربراہی ہوتی ہے۔

مہاراجہ صاحب بڑی رواداری سے کام کرتے ہیں چنانچہ آپ کے دیوان
سر محمد اسمٰعیل، کے، سی، ایس، آئی ہیں، دیوان صاحب اپنی قابلیت لیاقت اور
محنت کے باعث میسور میں ہر دل عزیز ہیں۔

اگرچہ میسور کی عام زبان کنڑی ہے، مگر اردو بھی عام طور سے مروج ہے
گورنمنٹ میسور کی جانب سے مسلمان رعایا کے لئے تقریباً ایک ہزار ابتدائی اور
وسطانیہ مدرسے قائم ہیں۔ جہاں اردو میں تعلیم ہوتی ہے۔ ایک ٹریننگ کالج
قائم ہے، جس میں عربی، فارسی کے ساتھ اردو کی بھی تعلیم ہوتی ہے، اسی لحاظ
سے میسور یونیورسٹی میں بی، اے، تک اردو بھی رکھی گئی ہے۔

خصوصیت سے بنگلور تو اردو کی ترقی کا مرکز رہا ہے چنانچہ ۱۸۴۲ء میں یہاں
اردو مطبوعات کے لئے مطبع فردوسی قائم ہو گیا تھا، ۱۸۶۱ء میں سب سے پہلا

اردو اخبار جو قاسم الاخبار کے نام سے موسوم تھا، ہفتہ وار شائع ہونے لگا، اس کے کچھ ہی روز بعد کئی اور اخبار شائع ہونے لگے، چنانچہ اس طرح بیک وقت پانچ چھ اخبار بنگلور سے شائع ہوتے تھے، یہ اخبار بہ لحاظ اپنے مضامین، کتابت، طباعت کے اس وقت کے شمالی ہند کے اخبارات سے کسی طرح کم نہیں ہوتے تھے۔

اس زمانہ میں ان اخبارات کے ساتھ بنگلور میں شعرا اور ادیبوں کی بھی گرم بازاری تھی، اور مشاعرے ہوتے تھے، اس زمانہ کے ایک شاعر نے بنگلور کی تعریف میں کہا ہے۔

جب خیال آتا ہے مجھ کو خواب میں بنگلور کا ۔۔۔ سیر کر لیتا ہے صابر رات بھر جنت کی میں

اس وقت اردو شاعری نے بنگلور میں بڑی ترقی کی، اور یہاں کے شعرا ہر حیثیت سے شمالی ہند خصوصاً لکھنؤ کے شعرا کا مقابلہ کرتے تھے، چنانچہ لفظی تکرار پر اہل بنگلور نے لکھنؤ والوں کو چیلنج بھی دیا تھا۔ لکھنؤ سے مولانا عبدالحلیم شرر نے دلگداز رسالہ شائع کیا تو اہل بنگلور نے اس کے جواب میں "دلسوز" نام ایک رسالہ شائع کرنے لگے، اس کے اڈیٹر قادر شریف صاحب تھے دلگداز میں مولانا شرر نے "حسن انجلینا" ناول شائع کرنی شروع کی تو دلسوز میں ایک ناول حیدر علی اور انگریزوں کی لڑائی کے متعلق شائع ہونے لگا۔ لکھنؤ سے "پیام یار" شائع ہونے لگا تو بنگلور سے "شمع سخن" جاری ہوا[1]

بہرحال اس زمانہ میں یہاں اردو ادب کے کافی بال و پر نکل آئے، سنہ ۱۹۱۰ء کے پہلے بنگلور اہل علم و فن کا مرکز بنا رہا۔ اس کے بعد وہ بات باقی نہیں رہی مگر آج پھر اردو کی جانب جو توجہ ہو رہی ہے وہ خوش آیند ہے۔

---

[1] رسالہ کوثر

صفحات آئندہ میں ہم اس دور کی نظم و نثر کا نمونہ پیش کرتے اور شعرا و مصنفین کا تعارف کراتے ہیں۔

نظم صفحات ماقبل میں اس امر کی صراحت ہو چکی ہے کہ ہم اس فصل میں ٹیپو سلطان کے بعد سے اب تک اردو کی رفتار ترقی کو ظاہر کریں گے، حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے زمانہ میں سرنگ پٹن دار السلطنت تھا تو اب میسور اور بنگلور نے اس کی جگہ لے لی، بنگلور میں بھی خصوصاً "معسکر" میں جو انگریزی علاقہ تھا اردو کو خاص ترقی ہوئی، بیسیوں شعرا یہاں کی خاک سے پیدا ہوئے، اور اپنے کلام سے اردو کی خدمت کرتے رہے، یہ نہایت مشکل ہے کہ میسور اور بنگلور کے شعرا کا تفصیلی تعارف کرایا جائے، اردو کی تاریخ کے لئے اس کی چنداں ضرورت بھی نہیں ہے ہمیں صرف اردو کی تدریجی ترقی کے ضمن میں یہ بتانا ہے کہ شمالی ہند کی طرح جنوبی ہندوستان میں بھی اردو کی کس طرح خدمت گزاری ہوتی رہی۔ ورنہ یوں عام طور سے شمالی ہند کے مقابل یہاں کسی نئے دبستان (اسکول) کا تعارف نہیں کرایا جا سکتا۔

اس مختصر زمانہ میں جو شعرا نامور خاک میسور نے پیدا کئے ہیں اُن کی تعداد خاصی ہے، ان میں سے بعض شعرا حسب ذیل ہیں۔

احقر، اطہر، آزاد، آہ، آرام، ادب، اکمل، افہم، انور، اقصر، اختر، بادشاہ، برق، تحقیق، تفصیل، تشہیر، تصدیق، جادو، جوہر، خاکی، خلیل، خبیر، دوام، دل، دبیر، روشن، رضوان، ساحر، شمیم، شاد، شاہ، صوفی، صابر، صادر، صولت، طاہر، عشق، عطا، عاجز، عیش، غم، فیاض، قدرت، کلیم، گلشن، مشتاق، موحد، نیر، ماہر، محمود، مکیش، معجز، ناظر، ناطق، نسیم،

واصف، وصف وغیرہ۔

ان کے علاوہ دورِ حاضر میں کئی شعرا اُردو کی خدمت گزاری میں مصروف ہیں۔ بعض شعرا کا کلام نمونہ کے لئے پیش ہے۔

غم | محمد قاسم نام، غم تخلص، قاسم الاخبار کے مالک اور اڈیٹر تھے[1] ۱۸۷۲ء میں ایک زبردست بزمِ مشاعرہ قائم کی تھی۔ کلام کا نمونہ یہ ہے

زمینِ شعر سے غش کھائے آسمان ہلال | ہے وصفِ چینِ جبیں غیرت بیان ہلال
خوشی سے یار نے پہنائی طوق منت کی | کہ ماہ عید ہوا آج مہربان ہلال
خیال لب پہ نہ چھا جائے ضعف کا عالم | مسیح چرخ نشیں ہو جو پاسبان ہلال
فراق طوق گلو میں گھٹ گیا جس دم | تو میرے حال کو سمجھے وہ داستان ہلال

کیوں سرد نہ ہو گرمیٔ بازارِ محبت | ہے کون مرے بعد خریدارِ محبت
نقشِ قدمِ راہ گذر اس کو نہ سمجھو | بیٹھا ہے تری رہ میں طلبگارِ محبت

نسیم | محمد حسین علی سلطان نام اور نسیم تخلص[2]، میسور ان کا وطن تھا، غم کے مشاعرہ میں شریک ہوتے تھے۔

کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے۔

نیام تیغ سے اس کے عیاں ہے شانِ ہلال | تو رکھ دے طاق پہ ترکِ فلک نشانِ ہلال
جو میکشی سے ہوا وسمہ کو مرے وصل کی لہر | لگاؤں کشتیٔ صہبا میں بادبانِ ہلال
اس فصل بہاری میں ہیں ڈھنگ انیس مرا بلے | ڈالے گا خدا ساقی گلرنگ کے پالے
کیا جانتے ہیں عشق فرشتوں کے فرشتے | یہ بار امانت کا ہے آدم کے حوالے

---

[1] و [2] رسالہ کوثر

تحصیل — محمد کبیر المتخلص بہ تحصیل، یہ بھی اسی زمانہ کے شاعر ہیں، غم کے مشاعرہ میں شریک ہوتے تھے۔ کلام کا نمونہ پیش ہے۔

گرے زمیں پہ چکر اکے آسمان ہلال — پھرے وہ ترک جو لشکر میں لے نشان ہلال
خیال ابرو میں ہوش میں ضعف سے اپنے — خمیدہ ہو گئی قامت مری لبان ہلال
ڈسنے لگے اڑ اڑ کے ترے زلف کے کالے — اللہ کی قدرت ہے کہ پر ناگ نکالے

گھیر لیتے ہیں مجھے غم جو کسی بحر ادا کا — لے جائیں گے دریا کو بہا کر مرے نالے
خال مرغ ہوش کی طرح ایک نہ چمکا — تارے کئی اس گردش گردوں نے نکالے

دل — محمد عبد الرحمن مرحوم المتخلص بہ دل، ریاست میسور میں اول اسسٹنٹ کمشنر بنگلور تھے، پھر کونسلر ہو گئے تھے، غم کے مشاعرہ میں شریک ہوتے تھے،

کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو :-

آرام سے کیا سوتے ہیں آغوش لحد میں — جو گود کے پالے تھے پڑے گور کے پالے
گلشن کسے معلوم ہے بستان ہے کیسے باغ — ہم خانہ صیاد میں ہیں ہوش سنبھالے
حوروں کے طلبگار نہیں تیرے طلبگار — تیرے ہیں طلبگار طلبگار محبت

خمخانہ ہستی میں ہے بس پیر مغان دل — آنکھ ہے جو یاں ہوتا ہے سرشار محبت

تحقیق — عبد الحق نام، تحقیق تخلص، بنگلور وطن تھا، سنہ ۱۹۱۰ء میں انتقال ہوا، ''شمع سخن'' کے نام سے ایک رسالہ انھوں نے ۱۸۸۴ء میں جاری کیا تھا جو بارہ پندرہ سال تک شائع ہوتا رہا۔

دیکھا نہ مسیحا سے بھی جب تیرا ادا وا — اللہ کو سونپا تجھے، بیمار محبت
صورت گر معنیٰ نہ ہوا جو ہمہ مانی — آئینہ ہوا مانع دیدار محبت

---

۱ تا ۳ رسالہ کوثر

جنبش باد فنا یاد جو آجاتی ہے — گل کو ہوتی ہے خلش ہوتے ہیں لرزاں کانٹے
نفع منعم کی بھی صحبت سے نہیں موذی کو — دامن گل میں ہیں گو رہتے ہیں عریاں کانٹے

ادب[1] | غلام محمد شریف نام اور ادب تخلص، "رسالہ شمع سخن" کے مہتمم تھے، بنگلور ان کا وطن تھا۔

روشن ہیں مرے داغ سے انوار محبت — خاموشی میں کرتا ہوں میں اظہار محبت
بے وجہ نہ آنکھوں سے ادب خون بہا ہے — دل میں ہے مرے اک خلش خار محبت

آرام[2] | منشی عبدالحفیظ مرحوم متخلص بہ آرام، بنگلور ان کا وطن تھا،

اوروں پہ نظر ہم سے ہے گفتار محبت — کیوں جی یہ کہاں سیکھے ہو اطوار محبت
داغ بت ہندو سے ہے دل شمع سراپا — کیوں سانس نہ ہو رشتۂ زنار محبت

طالب[3] | محمد عبدالقادر نام طالب تخلص، بنگلور وطن۔

جاتے ہوئے کہتے ہیں عیادت کو وہ آکر — اللہ کو سونپا تجھے بیمار محبت
دنیا سے تعلق ہے نہ عقبیٰ سے ہی کچھ کام — آزاد دو عالم ہے گرفتار محبت

اسد[4] | سید اسد اللہ نام، اسد تخلص، بلہاری علاقہ مدراس ان کا وطن تھا۔

جز مہر جہاں تاب نہیں مہر کی گرمی — اب سرد زمانے میں ہے بازار محبت
اس یوسف ثانی کی تمنا نہیں کس کو — ہر اک ہے زلیخا سا خریدار محبت

صفحات گزشتہ میں ایسے شعرا کا تذکرہ ہوا ہے جن کا تعلق سنہ ۱۹۰۰ء یا اس سے ماقبل کا ہے اب ہم موجودہ زمانہ کے چند شعرا کا کلام پیش کرتے ہیں۔

صابر[5] | قادر شریف نام اور صابر تخلص، بنگلور وطن تھا۔ سنہ ۱۹۰۸ء میں انتقال ہوا۔

---

۱ تا ۵ رسالہ کوثر

۱۸۸۷ء میں لکھنو کے دلگداز کے جواب میں رسالہ دلسوز نام بنگلور سے شائع کرتے تھے
اس رسالہ میں ٹیپو سلطان اور انگریزوں کی جنگ کے متعلق ایک ناول بھی ہوتا تھا۔
رسالہ دلسوز کے بعد اخبار بادصبا، اخبار نصیر، رسالہ تعلیم، رسالہ پنچ اینچ وغیرہ
شائع کرتے رہے، صابر کو امیر مینائی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

دل میں رہ کر نظر نہیں آتا — ہے ستم یہ بھی اس ستمگر کا
بے نشاں وہ نہیں ہے اے قاصد — لامکاں گھر نہیں ہے دلبر کا
قیس کعبے کو دیکھ چلا یا — ہائے لیلیٰ نہیں ہے محمل میں

یہ مے کشی اور یہ بت پرستی نہ پاس مذہب نہ خوف محشر
نعوذ باللہ تم کو صابر، خدا کا دل میں خیال بھی ہے

غش کی طرح آئے تو گئے ہوش کی صورت — آفت تمہاری جان پہ یا را نہ کسی کا
گھر میں مرے آئی تو شب ہجر یہ بولی — منزل ہے بلاؤں کی یہ کاشانہ کسی کا
تڑپتے لوٹتے ہم ہجر میں بستر پہ سوتے ہیں — الٰہی وہ بھی ہیں جو زانوئے دلبر پہ سوتے ہیں

عزیز — ٹی یم۔ عزیز اللہ المتخلص بہ عزیز، بنگلور۔ ان کا وطن ہے، معشوق، کوثر وغیرہ رسالوں میں کلام شائع ہوا کرتا ہے۔

ذرا دکھا کر تو جلوہ اپنا یہ امتحان وفا بھی کر لے
ترا فدائی ہے کون محفل میں کون تجھ پر نثار ہوگا

ہے میکدہ بھی شراب بھی ہے نہ ذوق بادہ کشی ہے ہم میں
طبیعتوں میں کہاں ہو مستی نظر میں کیونکر خمار ہوگا

خدا پہ موقوف فیصلہ ہے وفا ہے کس کی جفا ہے کس کی
عزیز اس بت کا اور ہمارا حساب روز شمار ہوگا

کلفت ہی میں گو کٹ گئے ایام جوانی　　پیارے تھے مگر دل کو وہ آلام جوانی
اب روتے ہیں جب ہوش ٹھکانے سے لگا ہے　　یہ صبح ہے پیری کی، وہ تھی شام جوانی

محمودؔ محمود خان صاحب محمود، کوثر کے اڈیٹر "سلطنت خدا داد" کے مولف بنگلور کے باشندے ہیں، اردو کی خدمت گزاری کا دل میں درد ہے، شاعری کا بھی ذوق ہے۔

شمسا کے کنارے

شاید کہ مری جان وہ دن یاد ہے تم کو　　جب عاشق ناشاد سے ملنے کو کہا تھا
پردیس سے آ کر　　دریا کے کنارے
شمسا کے کنارے

اس سال تباہی تو بہت آئی ہوئی تھی　　اک بوند بھی افسوس ہے پانی کی نہ برسی
ضائع ہوئی کھیتی　　مرتے تھے مویشی
شمسا کے کنارے

وہ وقت جدائی کا گلے ملکے وہ رونا　　آنکھوں میں ابھی پھرتی ہے وہ موہنی صورت
وہ مرمریں مورت　　سانوری ہی تمہاری
شمسا کے کنارے

وہ نور کی پیشانی وہ سیندور کا ٹیکا　　ہاں دیکھنے والوں کو وہ برچھی کی انی تھی
بر ما گئی دل کو

اور ساتھ جگر کو
شمسا کے کنارے

پردیس سے آیا ہوں بہت رنج اٹھا کر — للہ بتا دو مری ساوتری کہاں ہے
یاد آئے گی تیری — ساوتری ہمیشہ
شمسا کے کنارے[1]

نسیم[2] عبد اللطیف المتخلص بہ نسیم، بنگلور کے باشندے ہیں، نوح ناروی سے شرف تلمذ رکھتے ہیں۔

چمکتی ہے جب بجلیاں آسماں پر — تو حیرت سے میں آشیاں دیکھتا ہوں
رہے دور میں جام لے میرے ساقی — کہ گردش میں سات آسماں دیکھتا ہوں
پھلے پھولے کیا خاک نخلِ تمنا — چمن اپنا وقفِ خزاں دیکھتا ہوں
ادھر تیری صورت ادھر تیرا جلوہ — جدھر دیکھتا ہوں جہاں دیکھتا ہوں
چمک یاد آتی ہے دردِ جگر کی — کبھی میں جو برقِ تپاں دیکھتا ہوں

سلیم[3] محمد شرف الدین نام سلیم تخلص، بنگلور وطن۔

یہی سبب ہے کہ غش کھا کے گر پڑے موسیٰ — جمالِ یار سے اُن کی نظر لڑی ہوگی
سنیں گے آپ تو لائیں گے تاب کس دل سے — ہمارے دل کی کہانی وہ دکھ بھری ہوگی
وہ آتے ہیں سرِ بالیں مثالِ بادِ بہار — شگفتہ آج مرے دل کی بھی کلی ہوگی
نگاہ شوخ ہے غمزہ بھی شوخ چال بھی شوخ — تو پھر ادا تری کیونکر نہ چلبلی ہوگی
جمالِ یار سے کہدو کہ بانقاب رہے — نظر سلیم کی محشر میں تاکتی ہوگی

---

[1] تا [3] رسالہ کوثر

عشق کا کام نہیں حسن کو رسوا کرنا   کہہ کے یہ شمع یہ پروانہ فدا ہو ہی گیا

منیر[۲] عبد الرزاق نام منیر تخلص، کولار (میسور) ان کا وطن ہے، رسالہ جلوہ سخن میں کلام شائع ہوتا تھا۔

حسن ازل کا جب میں طلبگار ہو گیا   ہر اک حسین نظر میں مری خوار ہو گیا
شاید نسیم کوچہ جاناں سے آئی ہے   کھل کر جو داغ دل مرا گلزار ہو گیا
دنیا کا رنگ دیکھ کے آخر منیر بھی   گوشہ نشین خانہ خمار ہو گیا

یوسف[۳] محمد یوسف شریف المتخلص بہ یوسف، بنگلور وطن رسالہ جلوہ سخن میں کلام شائع ہوتا تھا۔

جس روز سے جدا میرا دلدار ہو گیا   میں اپنی زندگانی سے بیزار ہو گیا
مجھ نامراد کی قسمت کو دیکھئے   وہ خواب میں جو آئے میں بیدار ہو گیا
زاہد غرور زہد سے تھا طالب جناں   رحمت کی آس پر میں گنہگار ہو گیا

حفیظ[۴] محمد عبد الحفیظ، حفیظ تخلص، بنگلور وطن، جلیل حیدر آبادی سے تلمذ حاصل ہے جلوہ سخن میں آپ کا کلام شائع ہوتا تھا۔

واعظ ہے ناز کیوں تجھے اپنے بیان پر   قبضہ نہیں قلم کا قلم کی زبان پر
تیرے ہی دم قدم سے ہے یہ عزت ارم   تو ہی نہ ہو تو خاک پڑے اس جنان پر

اثر[۵] سید عبد الرؤف نام اثر تخلص، بنگلور وطن، جلوہ سخن میں کلام شائع ہوتا تھا۔

لائق تری ثنا کے کب ہے زباں میری   ہو حمد مجھ سے کیونکر اے دو جہان والے
دنیا میں گو سہارا مجھ کو نہیں کسی کا   بس ہے ترا سہارا اے آسمان والے

---

[۱] تا [۵] جلوہ سخن

رُومان[1] بنگلور کے متوطن ہیں رسالہ مصحف میں بکثرت آپ کا کلام شائع ہوا کرتا ہے

جس دن سے جدا ہوا ہوں تم سے — ہر رات بلا کا سامنا ہے
تھمتے ہی نہیں لہو کے آنسو — آرہ سا جگر پہ چل رہا ہے
تدبیر کی بات دوسری ہے — قسمت کا معاملہ جدا ہے
ہم نے تو کسر اٹھا نہ رکھی — افسوس یہ درد لا دوا ہے

نثر میسور کے موجودہ دور کی نثر کا نمونہ بھی یہاں پیش کیا جاتا ہے جس سے اردو کی رفتار کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

مولوی عبدالحق صاحب[2] مولوی عبدالحق صاحب سبزواری، آپ کا خاندان ایران سے ہندوستان آیا۔ آپ کے تصانیف جنان السیر اور خطبات حرمین بہت مشہور ہیں، میسور اور بنگلور میں قرآن اور حدیث کے بعد "جنان السیر" کی تکریم کی جاتی ہے، شاہ صاحب کے اور کئی تصانیف ہیں آپ کی نثر کا نمونہ حسب ذیل ہے۔

"قسم اول کی نسبت ہمارا یہ خیال ہے کہ اردو جہاں تک ہم غور کرتے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اکثر الفاظ انگریزی جو عام و خاص میں رواج پاتے ہیں اور گویا خاص ان کی زبان کے الفاظ ہو گئے ہیں اور لوگ ان کو برتتے ہیں، ان کا ایسا نہ کرنا دو حالتوں سے خالی نہیں، پہلی حالت یہ ہے کہ ان الفاظ کے معنی سے جو لوگ واقف نہیں اور نہیں جانتے کہ اپنی زبان میں ان کے یہ معنی ہوتے ہیں، صرف وہی الفاظ کچہریوں میں نیز حاکمان وقت کی زبان پر منتقل ہیں اور جس سے سنو

---

[1] مصحف
[2] کوثر دسمبر ۳۵ء

وہی الفاظ سنے جاتے ہیں اور روزینہ کارروائیوں میں برتے جاتے ہیں خود بھی بولنے لگتے ہیں مثلاً گھر کو رجسٹر کراؤ، اس شخص پہ نمبر کراؤ، سمن لاؤ، فیس داخل کرو"۔ [1]

محمود خان محمود خان صاحب (مارسٹن) کا ذکر اس کے پہلے ہو چکا ہے، آپ کو شاعری کے ساتھ نثر نگاری پر پورا ملکہ حاصل ہے، آپ کی تالیف "سلطنت خداداد" شائع ہو کر مقبول ہو چکی ہے، اس میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے حالات زندگی درج ہیں، رسالہ کوثر آپ کی اڈیٹری میں شائع ہوا کرتا تھا تاریخ سے خاص دلچسپی ہے، چنانچہ اب تاریخ ارکاٹ مرتب کر رہے ہیں، رسالہ کوثر میں بھی اکثر آپ کے تاریخی مضامین شائع ہوتے تھے۔

بنگلور کی مختصر علمی تاریخ آپ نے کوثر میں قلمبند کی ہے، اس کا نمونہ پیش ہے۔

"معسکر بنگلور کوئی قدیم شہر نہیں ہے، اس کی بنیاد ۱۸۱۱ء میں پڑی جبکہ انگریزی فوجوں نے سرنگا پٹم کو ریاست کے حوالے کر دیکر اس کے عوض حاصل کیا، شروع شروع انگریزی فوج بنگلور کے قلعے میں رہتی تھی، مگر شہر کی نزدیکی اور آب و ہوا کی ناموافقت کی وجہ فوجی بارکیں شہر کے شمالی میدانوں میں بنا شروع ہوئیں اور اس کا نام کنٹونمنٹ یا معسکر رکھا گیا، فوجی بارکوں کے ساتھ ساتھ تاجروں کی دکانیں اور مکانات بھی تعمیر ہوئے، اس طرح رفتہ رفتہ معسکر نے ایک بڑے شہر کی حیثیت حاصل کر لی"۔ [2] . . . .

محمود شریف صاحب محمود شریف صاحب بی اے، ایل ایل بی، ایڈوکیٹ بنگلور، کوثر میں آپ کے مضامین شائع ہوتے تھے۔

---

[1] کوثر جنوری ۱۹۳۶ء بحوالہ میسور اخبار ۱۸۷۴ء

[2] کوثر

"شمس العلماء، مولوی الطاف حسین حالیؔ وہی مبارک ہستی ہے جو آج سے ایک سو سال قبل ہندوستان کے آسمان ادب پر ایک درخشاں ستارے کی صورت میں نمودار ہوئی اور اس ملک کے مسلمانوں پر اپنا دیرپا اثر چھوڑ کر رخصت ہوئی۔ حالی گذشتہ صدی کی ان زبردست شخصیتوں میں سے ہیں جن کی بے لوث کوشش قوم کی ڈگمگاتی ہوئی ناؤ کو سنبھالنے اور مسلمانوں کو غیور اور حساس بنانے میں کامیاب ہوئی۔ مسلمانوں کی موجودہ معاشرتی تعلیمی اور سیاسی ہلچل اگر کچھ بھی ہے تو میرے خیال میں وہ ان چند غیور مسلمانوں کے جد وجہد کی رہین منت ہے، جو اغیار کی ترقی اور اپنوں کی تنزل حالی سے متاثر ہو کر قوم کو ہر ممکن طریقے سے سدھارنے کا باعث ہوئے" [1]

محمد اسمٰعیل خان صاحب | محمد اسمٰعیل خان صاحب مائل بنگلوری کو بھی نظم کے ساتھ نثر پر پورا عبور حاصل ہے، آپ کی نثر کا نمونہ حسب ذیل ہے

"سینما بینی کے مہلک مرض میں مردوں کے علاوہ عورات بھی مبتلا ہوتی جارہی ہیں اور بلا شرم و حجاب کثرت کے ساتھ تھیٹروں کو جا کر سینما کے حیا سوز و اخلاق شکن تماشوں سے مزے حاصل کرنے لگی ہیں، طرفہ یہ کہ بعض عورات زرین و ریشمی لباس میں زیوروں سے آراستہ و پیراستہ ہو کنگھی چوٹی کا سنگار کر کے تھیٹروں میں آکر اس انداز سے زینت آرائے محفل ہوتی ہیں کہ گویا یہ بھی سینما کے بہترین ایکٹرس و شاہکار ہیں۔" [2]

احمد حسین صاحب | مولوی احمد حسین صاحب "بزم سرور" بنگلور کے سکریٹری ہیں،

---

[1] کوثر۔

[2] "سینما کی تباہ کاریاں" کوثر ستمبر ۳۵ء

حالی کے متعلق آپ کا مضمون بھی دلچسپ ہے ۔

"دلی کے اجڑ جانے کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کی حالت بد سے بدتر ہو گئی، ان کی مسلم التبوت تہذیب دوسروں کی تہذیب میں مدغم ہونے لگی ان کے پروقار تمدن کا شیرازہ بکھر گیا، اسلامی سلطنت کے اجڑ جانے کے بعد مسلمان تباہ ہو رہے تھے، ان کے علوم و فنون جن پر ایک زمانہ تک ناز و فخر رہا تھا تباہی میں آنے لگے، یہ مانی ہوئی بات ہے کہ مصیبت تنہا نہیں آتی، بلکہ اپنے ساتھ اور تباہیوں کو بھی لے آتی ہے، مصیبت آئی اور بہت بری طرح آئی، اپنے ساتھ ہلاکت و فلاکت کو بھی لائی۔" [۱]

حکیم سید عبد الصمد صاحب بنگلور آپ کا وطن ہے، کوثر میں ادبی مضمون شائع ہوتے تھے ۔

"بہن ممتاز مجھے کیسے جرأت ہو کہ قلم اٹھاؤں اور تمھیں خط لکھوں، ارادہ نہ تھا مگر میری بے چین طبیعت نے مجبور کیا، خط پڑھ کر تمھیں حیرت ہوگی، کہ یہ لکھنے والی کون ہے، تعجب کی کیا بات ہے، میرا نام دیکھ کر تم مجھے پہچان لوگی ۔

بہن سچ جانئے ہماری ملاقاتیں بہت تھوڑی ہیں، پھر بھی تمہاری محبت میرے دل میں ایسی جاگزیں ہے، جیسے نقش کا لحجر، کیوں کہ تمھارا وہ حسن سلوک تمھاری متانت اور سنجیدگی اور تمھارا حسن اخلاق، یہ سب کچھ ایسی چیزیں تھیں جن کا گہرا نقش مدت مدید کے باوجود دل سے نہ مٹ سکا ۔" [۲]

---

[۱] و [۲] کوثر

اُردو اخبارات میسور اور بنگلور کے اردو اخبارات اور رسائل کے نام جیسے معلوم ہو سکے ان کی فہرست حسب ذیل ہے، افسوس یہ سب اب بند ہو چکے ہیں۔

شمار	نام اخبار	اڈیٹر
۱	قاسم الاخبار	محمد قاسم
۲	سلطان الاخبار	قادر بادشاہ
۳	میسور اخبار	حافظ سید محمد
۴	منشور محمدی	محمد عبد المجیب
۵	نیر اعظم	قاضی عبد القدوس
۶	بنگلور اخبار	؟
۷	اخبار مصلح	عبد الحی
۸	باد صبا	قادر شریف
۹	اخبار نصیر	″
۱۰	محافظ بنگلور	عبد المجیب
۱۱	میڈ گزٹ	؟
۱۲	دیوار	؟
۱۳	سہیل	؟
۱۴	المعی	صدیقی صاحب
۱۵	رسالہ دلسوز	قادر شریف

لے رسالہ کوثر

۱۶	المعلم	تعادر شریف
۱۷	رسالہ پیچ اپچ	"
۱۸	شمع سخن	؟
۱۹	کوثر	محمد محمود خان

خاتمہ صفحات گزشتہ سے مدراس میں اُردو کی ابتدا اور ارتقا کا حال منکشف ہو سکتا ہے، موجودہ معلومات کے لحاظ سے ہم نے ایک ابتدائی خاکہ پیش کردیا ہے "دکن میں اردو" کے ایک باب کے مقابل یہ مستقل گو مختصر کتاب ناقابل التفات نہیں ہو سکتی، اگر کبھی موقع ہوا اور طبع ثانی کی نوبت آئے تو امید ہے کہ اس سے زیادہ ذخیرہ ناظرین کے سامنے پیش ہو سکے۔

افسوس ہے کہ صوبہ مدراس کے ذکر میں ملیبار کا کوئی ذکر نہیں ہو سکا کیونکہ ہمارے پاس کوئی معلومات نہیں ہیں، البتہ اب ہم کو معلوم ہوا ہے کہ وہاں بھی اُردو کی جانب توجہ ہو رہی ہے، انجمن ترقی اُردو کی شاخیں اور ابتدائی مدارس قائم ہیں، ایک ماہوار رسالہ "نارجلیتان" کے نام سے شائع ہونے لگا ہے۔

بہرحال جنوبی ہند کے انتہائی گوشوں میں بھی اُردو کے جاننے والے اور بولنے والے موجود ہیں، جس سے اُردو کی ہمہ گیری کا پورا ثبوت ملتا ہے فقط

ہاشمی

یکم رجب المرجب ۱۳۵۷ھ
۲۹ر اگست ۱۹۳۸ء

مؤلف کی دیگر کتابیں

۱۔ **یورپ میں دکھنی مخطوطات** جس میں یورپ کے کتب خانوں کی دکھنی مخطوطات کی پوری تفصیل اور نمونہ کلام موجود ہے۔ مجلد عمہ ۔۔ غیر مجلد ۔۔۔ للعہ

۲۔ **دکن میں اُردو** (طبع سوم) اُردو زبان کی مفصل تاریخ ہے، اب تیسری مرتبہ بہت کچھ اضافہ اور ترمیم کے بعد شائع ہوئی ہے ۔۔۔۔۔۔۔ مجلد ۸/ ، عہ

۳۔ **خواتین عہد عثمانی** حیدرآباد کے عورتوں کی گزشتہ پچیس سالہ ہمہ جہتی ترقی کا مرقع ہے۔ بقول اڈیٹر معارف اپنے موضوع کے لحاظ سے پہلی کتاب ہے ۸/ ، عہ

۴۔ **حضرت امجد کی شاعری** حیدرآباد کے مشہور صوفی شاعر حضرت امجد کی شاعری پر تفصیل سے تنقید کی گئی ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۲/

۵۔ **مکتوبات امجد** ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۸/

۶۔ **رہبر سفر یورپ** یورپ کے سفر کے لئے بہترین رہبر ہے ضروریات سفر کے علاوہ یورپ کی تمدن اور معاشرت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ ۸/

۷۔ **خیابان نسواں** نسوانی ترقی کے لئے مختلف تاریخی، تمدنی اور معاشرتی مضامین کا مجموعہ ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۴/

۸۔ **ذکر نبی** ۔ آنحضرت صلعم کی مقدس سیرت پر چند تفصیلی مضامین ۱۲/

۹۔ **مقالات ہاشمی** علمی، ادبی اور تنقیدی مضامین کا مجموعہ (زیر طبع)

یہ سب کتابیں **دفتر سب رس** نعمت منزل خیریت آباد حیدرآباد دکن سے مل سکتی ہیں

ادارۂ ادبیات اردو کی مشہور و معروف کتابیں

مرقع سخن جلد اوّل — حیدرآباد دکن کے پچیس شعراء دورِ آصفیہ با تصویر تذکرہ پچاس سے زیادہ تصاویر اور چار سو سے زیادہ صفحات مجلد قیمت ... صمہ

مرقع سخن جلد دوّم — حیدرآباد دکن کے پچاس دیگر شعراء دورِ آصفیہ کا باتصویر تذکرہ پچاسش تصاویر ۔ ۴۰۰ صفحات ..... مجلد قیمت ... صمہ

سراج سخن — انتخاب کلام شاہ سراج اورنگ آبادی مرتبہ پروفیسر عبدالقادر سروری مع سوانح شاہ سراج ۔ صفحات (۴۰۰) ..... قیمت ... ۱۲/

ایمان سخن — انتخاب کلام شیر محمد خان ایمان مرتبہ مولوی سید محمد صاحب ایم اے مع سوانح ایمان صفحات (۱۲۰) .... قیمت ... ۱۲/

فیض سخن — انتخاب کلام حافظ میر شمس الدین محمد فیض مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور مع سوانح فیض صفحات (۱۲۴) .... قیمت ... ۱۲/

بادۂ سخن — انتخاب کلام ڈاکٹر احمد حسین مائل مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور مع سوانح و تصویر صفحات (۱۲۸) .... قیمت ... ۱۲/

کیف سخن — انتخاب کلام سید رضی الدین حسن کیفی مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور مع سوانح و تصویر صفحات (۱۲۲) .... قیمت ... ۱۲/

متاع سخن — انتخاب کلام نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور مع سوانح و تصویر عزیز صفحات (۱۲۵) .... قیمت ... ۱۲/

ورڈزورتھ اور اس کی شاعری مشہور انگریز شاعر کے حالات اور کلام پر تبصرہ
از مولوی میر حسن صاحب ایم اے۔ معہ تصویر شاعر
(۱۸۴) صفحات .... قیمت صرف ۴/عمہ

ٹیگور اور ان کی شاعری ہندوستان کی مشہور شاعر رابندر ناتھ ٹیگور کے حالات اور
کلام پر تبصرہ از مولوی مخدوم محی الدین صاحب ایم اے مع تصویر شاعر صفحات ۱۲۸ ۴/عمہ

یوسف ہندی قید فرنگ میں مرزا غالب کی قید فرنگ کے حالات۔ مرتبہ مولوی حسن
شبیر صاحب بی اے۔ ال ال بی۔ صفحات (۸۰) قیمت ۸/

ہوش کے ناخن (ڈرامہ) حیدرآباد کی سماجی زندگی کا خاکہ مصنفہ مخدوم محی الدین و
میر حسن صاحبان صفحات (۹۶) قیمت عمہ

نذر ولی ولی اورنگ آبادی کی شاعری کے مختلف پہلوؤں پر تفصیلی مضامین کا مجموعہ از لطیف النسا بیگم
بی اے۔ نجم النسا بیگم بی اے۔ نعیم النسا بیگم بی اے۔ جہاں بانو بیگم بی اے۔ صفحات (۲۴۸) قیمت عہ/۸

نقد سخن کلام فانی پر نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز کی تنقیدوں کا مجموعہ
(۱۷۶) صفحات .... قیمت عمہ

گریہ و تبسم صاحبزادہ میکش کی نظموں کا مجموعہ مجلد
صفحات (۱۹۲) قیمت عہ

مشاہیر قندھار دکن دکن کے مشہور مردم خیز خطہ کی دلچسپ با تصویر تاریخ
از اکبر صدیقی بی اے صفحات (۱۸۴) قیمت عمہ

من کی دنیا نوجوان انشا پرداز رشید قریشی کے دلچسپ اور ولولہ انگیز افسانوں
کا مجموعہ۔ صفحات (۱۶۰) قیمت مجلد عمہ